جلد ۱۱۱ مارچ ۱۹۸۹ء عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۱۱ | مارچ ۱۹۸۹ء مطابق شعبان ۱۴۰۹ھ | عدد ۱

اشارات: | نعیم صدیقی | ۳

حکمتِ سید مودودیؒ:

مولانا مودودیؒ کا ایک یادگار بیان ۱۹۳۶ء | پروفیسر سید محمد سلیم | ۱۳

مقالات:

اسماء القرآن | جناب محمد رفیق | ۱۵

علم کی اسلامی تشکیل | جناب اسماعیل الراجی | ۲۱

اسلامی ریاست میں عورت کی سربراہی | جناب ملک غلام علی | ۳۳

مطبوعات: | ادارہ | ۴۷

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

ملنے: ادارہ ترجمان القرآن، رحمٰن مارکیٹ: غزنی سٹریٹ، اُردو بازار۔ لاہور

فون نمبر ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۲۴۴۶۸

زرسالانہ تیس روپے۔ فی پرچہ ۳/ روپے

دی نے اپنے فاروق اینڈ سنز ایس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

تبریک

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ اس کی مدد سے دُنیا کی رُوسی سپر طاقت کو ایک ایسی مُسلم قوم نے شکست دی جو جدید تمدن اور ٹیکنالوجی اور وسائل سے محروم اور عدداً مقامِ قلت پر تھی - اس نے محض ایمانِ محکم، جذبہ جہاد اور جان و مال وعیال کی بے محابا قربانیوں کے بَل پر معرکہ سر کیا - تاریخ کا ایک نیا باب وجود میں آ گیا -

مبارک ہو مجاہدین کو، اُن کے بے مثال لیڈروں اور کمانڈروں کو، شہیدوں کی رُوحوں کو، خواتین اور بچوں کو اور مہاجرین کو!

مبارک ہو پاکستان کو، ضیاء الحق کی رُوح اور اُن کے حامی افسروں اور وفادار سپاہیوں کو اور مال یا دُعا یا کسی بھی طریق سے جہادِ افغانستان میں مدد دینے والوں کو!

پاکستان میں اس سلسلے میں جشنِ فتح مبین منایا جا رہا ہے - آج مجاہدین کی شوریٰ نے کچھ فیصلوں پر اتفاق کر لیا ہے - مگر خدا بچائے ان چار قوتوں کی غلط اندازیوں سے جنہوں نے پشاور میں لابیئنگ سفر جاسوسی کا اڈا قائم کر کے ایک طرف افغانوں میں گڑبڑ کرائے اور اسلامی حکومت بننے کی روک تھام کی مساعی شروع کر دی ہیں اور دوسری طرف کوشش یہ ہے کہ نئے افغانستان اور پاکستان میں یک جہتی و ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکے، بلکہ دونوں کے درمیان ایک علاقے کی اختلافی قوتوں کے بَل پہ رکاوٹ کھڑی کر دی جائے -

بصورتِ دیگر رُوس اور بھارت، کابل گورنمنٹ اور ایک چوتھی قریبی طاقت کی مرضی کے خلاف اگر حالات نے حرکت کی تو ایک عجیب وغریب نیا تاریخی دَور شروع ہونے والا ہے جس سے چاروں کو خطرہ ہے - علاوہ ازیں یہ چوکڑی (جس کی پشت پناہی امریکہ بھی کر رہا ہے) یہ بھی سوچتی ہے کہ کیا دم پاکستان کے لیے ایک اتنی بڑی مارکیٹ پیدا ہو جائے گی، جس میں سوئی سے لے کہ جہاز تک اور بیج کھاد سے لے کر ہسپتالوں اور مدارس تک ہر چیز کی فراہمی کرنی ہوگی - (باقی بر صفحہ ۵۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

پچھلے ماہ کے اشارات لکھنے کے بعد اس تیزی سے عرض کردہ حالات کی ہر شاخ نے نئے گل کھلائے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ وہ سب بھی سمیٹ کر آپ کے سامنے رکھ دیئے جائیں - لادینیت کے عالمی سرپرستوں اور مقامی جنونیوں کی تدبیریں، سازشیں، بیان بازیاں، حرکات و سکنات اور پیش قدمیاں ایسی زور شور سے ہو رہی ہیں کہ مہینوں کی منزلیں دنوں میں اور دنوں کی منٹوں میں سر کی جا رہی ہیں - بلکہ یوں لگتا ہے کہ جیسے حالات کو تلپٹ کرنے کی اتنی جلدی ہے کہ اس کے پیچھے یہ احساس چھپا نظر آتا ہے کہ ؏

پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

گذشتہ شماروں میں بیان کردہ حکایتِ اذیت ناک ہم خوگرانِ درد کے لیے لذت بخش بھی ہے، کیونکہ حالات کے کوڑے کی یہ ناخوشگوار ضربیں ہمارے ایمان و احساس کو جگاتی ہیں اور ہمارے شعورِ تحریک کو تازہ کرتی ہے -

مگر ہمیں اسی منفی کام میں نہیں لگے رہنا -

میں چاہتا ہوں کہ ہم اس زہرناک صورتِ حالات کے سیلاب کو اُٹھنے کا موقع اور بڑھنے کا راستہ دینے والی اپنی اپنی کوتاہیوں پہ نظر ڈالیں ـــ تمام افراد بھی اور تمام جماعتیں بھی اور پھر سوچ لیں کہ پس چہ باید کرد !

یہ شاید محبانِ اسلام و پاکستان کے لیے آخری موقع ہے کہ وہ زندگی کی ایک زلزلہ آفرین کروٹ لیں اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کے لیے اپنے آپ کو ساری قوتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ

اپنے خداوند خالق و حکمران کے سامنے عفو طلب غلام کی طرح کھڑا کر کے التجا کریں کہ حکم! "اے آقا و مولیٰ، ہم حاضر ہیں ما"

سیاسی نکتے، روپے اور وسائل کی باتیں، ذرائع ابلاغ کے قصے، ناسازگار حالات کا ماتم، انتخابی مدوجزر کے تجزیے، اپنی جگہ سب ٹھیک۔ مگر حقیقی خرابی علمِ وسیع، ایمانِ محکم، اخلاقِ درخشاں اور روحِ اخوت سے مالامال نظم کے ساتھ دعوت الی اللہ اور انفاق و سعی فی سبیل اللہ میں خوفناک کوتاہی ہے جو پاکستان کے خادمانِ اسلام سے مجموعی طور پر سرزد ہوئی ہے۔ جانے کتنے ہی معزز افرادان الفاظ سے مستثنیٰ ہوں گے، مگر قضیہ اجتماعی ہے۔ اس میں کتنی ہی جماعتیں اور کتنے ہی لاکھوں افراد حصہ دار ہیں۔ اور میں سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں کہ شاید سب سے زیادہ قصور میرا ہی تھا۔ مجھ ایسے بے شمار افراد کی ایمانی اور تعبدی اور دعوتی اور تنظیمی کوتاہی کا وبال سارے معاشرے میں پھیل گیا ہے، یہاں تک کہ جو نیک نہاد بزرگ اور حق اندیش نوجوان انفرادی طور پر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے اونچے مقام پر ہیں۔ ان کی پاکیزہ خدمات بھی ہم کوتاہ کاروں کے سیلابِ گناہ کے نیچے دب گئی ہیں۔ (ان کا اجر آخرت میں محفوظ ہے اور یہاں بھی اپنے اثرات دکھائے گا)

یہ باتیں نہ میں مصنوعی انکسار کا لطف لینے کے لیے کر رہا ہوں، نہ مجھے خود ملامتی کا روگ ہے اور نہ میں دوسروں کی زندگیوں میں مین میخ نکالنے کا ٹھیکہ دار ہوں۔ میں تو قرآن و حدیث سے اتنا جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی بھی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بگاڑتا جب تک کہ خود اس کے اہلِ ایمان، اہلِ علم اور اہلِ قیادت و اقتدار اور ان کے زیر اثر اور ان کے پیروکار عوام بگاڑ کا سبب نہ بن جائیں۔ "از ماست کہ بر ماست"۔

میں اپنی ذات میں اس لیے سب سے شرمسار ہوں کہ کل جب قیامت کی عدالت لگے گی اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ چالیس اکتالیس برس تم اسلام کے علمبردار بن کر اور اپنے آپ کو ایک برتر انقلابی شعورِ دین سے آراستہ جان کر جس مسلم معاشرے کی تجدید و تعمیر کرنے کے کام میں لگے رہے، اور تمہیں اپنے اکابر و عمائد کی رہنمائی اور اپنے لاکھوں ساتھیوں کی حمایت بھی حاصل تھی، اور تم نے اپنے کام میں اس عرصے میں بہت سے روپے اور وسائل کو بھی استعمال کیا ہوگا، آخر اس کا حسابی

ماحصل کیا ہے؟ اور کیوں ایسا ہوا کہ دین کے علو کے آثار تو کجا، لادینیت کا طوفان دیکھتے دیکھتے اتنا چڑھا کہ پانی گلے اور ٹھوڑی تک آپہنچا - اقامتِ دین کا محاذ آہستہ آہستہ پیچھے سرکتا رہا اور تم نے نہ اس تباہی کو محسوس کیا، نہ اس کے خلاف آواز بلند کی، نہ کسی کے توجہ دلاتے یا اعتراض اٹھانے پر کبھی ٹھنڈے دل سے غور کیا! ـــ اب بتاؤ کہ تمہارا جواب کیا ہے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے؟

قیامت کے اس خوفناک لمحے کی آمد سے پہلے ہی میں اعترافِ قصور کر کے طلب عفو کرتا ہوں - "اَنَا اَوَّلُ التَّائِبِین" - اس کے ساتھ ادائے فرض کی تجدید عہد کرتا ہوں جس کا تقاضا کتاب و سنّت کے تحت بنا ہوا تحریکی لائحۂ عمل کرتا ہے، اور اتنے کام کا عزم کرتا ہوں، جتنا جس میدان میں میں اپنی صحت و قوت کے ساتھ مزاحمت و تعاون کی فورسز کے درمیان دمِ آخر تک کر سکتا ہوں اے خدا تو گواہ رہ کہ میری ہزار کوتاہیاں ہوں گی، مگر میں اس گروہ کے ساتھ حشر کو اٹھوں گا جس کی شان ہے: مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا! (لیکن اس کا انحصار تیری ہی مدد اور پشت پناہی پر ہے!)

اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرنا ایک تو اس لیے ضروری ہے کہ ہم دعوت الی اللہ اور تعمیرِ اخلاق کی جو مرکزی مہم لے کے چل رہے ہیں اس کے راستے میں حائل ہونے والے یخ کے جزیروں اور آگ کے دریاؤں کا قلع قمع ہو سکے ـــــ دوسری ضرورت کی وضاحت کے لیے مجھے یہ کہنا ہے کہ افغانستان کے افق سے جونہی اجتماعی اسلامیت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے (اور خدا کرے کہ عین آخری لمحے خلل اندازی کرنے والے اشرار ناکام ہوں)، تو اس کی جگمگاہٹ نہ صرف پاکستان کو بلکہ ترکی اور پورے عالمِ اسلام کو شدید متاثر کرے گی - طاغوتی طاقتوں نے سیاسی، فکری، مالی، ثقافتی اور سفارتی سحر طرازیوں سے تاریکیوں کے جو غیر مرئی تخت ہمارے سروں پر بچھا رکھے ہیں، ان کے پرخچے اڑنے لگیں گے - حتیٰ کہ ایک نئی لہر ترکوں کے قدیم علاقوں تک سے اٹھ کھڑی ہوگی - وقت اگرچہ قریب آلگا ہے مگر فرزندانِ ظلمت کی تند و تیز چلت پھرت دیکھ کر سینے میں دھک دھک ہونے لگتی ہے جو آہستہ آہستہ "نعوذ باللہ من شرور الشیطٰن" کی صدا

یں بدل جاتی ہے، اور کان میں کوئی نادیدہ قوت کہتی ہے " إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا "۔ پھر آواز آتی ہے: " أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ "۔ یہ آنے والا لمحہ اگر غیریت سے اپنی لمعانیوں کے ساتھ نمودار ہو گیا تو ہر اُس شخص اور گروہ پر بھاری ذمہ داریاں اپنے ملک اور عالمِ اسلام اور پورے جہانِ انسانیت کے لیے آپڑیں گی جو دین کی سربلندی چاہتا ہو۔ ان ذمہ داریوں کو اعتقادی و تعبدی، ذکری و فکری، تحقیقی و تخلیقی، اخلاقی و روحانی، تنظیمی و انفاقی اور دعوتی و خدمتی پہلوؤں سے اگر خلوص سے، جامع طور پر اور تیز رفتاری سے پورا کرنے کا اہتمام نہ کیا گیا تو ملّتِ اسلامیہ مشیتِ الٰہی کے عطا کردہ ایک قیمتی لمحے کی برکات سے محروم رہ سکتی ہے۔ ایسی کوتاہی کے نتیجے میں ہم ایک بار پھر " صد سالہ راہم دُور شد " کے لق و دق صحرا میں بگولوں کی طرح چکر کھاتے رہ جائیں گے۔

لیکن میرا خیال ہے کہ فی الحال ہم زیادہ توجہ اس پہلو پر صرف کریں کہ ایسے اہم اور نازک مرحلۂ تاریخ میں ہمیں تجدید و احیا کے ایک روشن موقع سے محروم کرنے کے لیے لادینیت اور منکرات و فواحش کی جو یلغار کشتوں کے پشتے لگانے کے انداز سے بڑھ رہی ہے اس کا منہ پھیر دینے کے لیے اپنے کام اور مقام کو بحال کیا جائے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے دینی قوتوں کی غفلت کم شعوری اور کوتاہ عملی یا کم از کم غلط ترجیحات سامنے رکھ کر کج طریق سے کام کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

اوّلین تقاضائے تلافی یہ ہے کہ ہر فرد، جماعت اپنی اپنی جگہ اعتراف کرے کہ مجموعی کوتاہی میں اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔ اس اعتراف کے بعد ہی اصلاح اور خیر و فلاح کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ آج ذمہ دارانِ ملّت کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ دینی اصطلاحات اور نوامیسِ الٰہی کے لحاظ سے جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اور جو بڑے بڑے تخریب و تصادم کے واقعات ہو چکے ہیں، ان کی نوعیت عذاب کی ہے۔ اس سے نجات کی راہ توبہ و اصلاح کے سوا کچھ نہیں۔

دین کا اصل اساسی کام اقامتِ دین یا اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور اس کا اہم ترین تقاضا

دعوت الی الحق ہے، جو اوّل روز سے تا دمِ آخر جاری رہتا ہے اور ہر قسم کے حالات میں، خواہ دورِ صبر و بے بسی ہو، خواہ زمانۂ ہجرت و جنگ ہو، خواہ مرحلۂ حکمرانی ہو، کسی بھی حالت میں یہ ذمہ داری کسی مسلم فرد یا مسلم جماعت سے منفک نہیں ہو سکتی۔ اور ہزار طرح کے کام ہیں فرائض دینی کے بعد مصروفیتِ تسبیح و نوافل بھی مبارک اور ضروری، دوسری طرف بندوں کی خدمت بھی لازم، تعلیم و معیشت کے دائروں میں بھی کاوشیں اہم، اور سیاسی و تہذیبی میدان میں بھی تگ و تازلابدی، ___ لیکن ان سارے فرائض و مشاغل کے لیے ریڑھ کی ہڈی دعوت الی اللہ یا دعوتِ الی الحق یا دعوت الی الخیر ہے۔ ورنہ اور سب کچھ ہو سکتا ہے، تحریک نہیں چل سکتی اور غلبۂ نظامِ حق ممکن نہیں!

بنیادی فرائض کے درمیان سے اگر دعوتِ حق کی اہمیت کو کسی بھی فرد و جماعت نے گم کر دیا اس کے لیے عملی سرگرمیوں میں ڈھیل پیدا کر دی تو اس کے بقیہ دوسرے کام خواہ کتنے ہی اہم ہوں اور کتنی ہی کامیابیاں وہ حاصل کرلے اور کتنے ہی فوائد محقق آتے محسوس ہوں، دعوتِ حق (امر بالمعروف، نہی عن المنکر) کے خسارے کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ رکھنے کا مدعا یہ ہے کہ کسی معاشرے کی اصلاح اور کسی ملک میں مضبوط دینی ماحول کا پیدا ہونا کارِ دعوت کے بغیر ممکن نہیں جب تک اقامتِ دین کے علمبردار بستی بستی کے گلی کوچوں میں پھر پھر کر فرد فرد تک خدا کا پیغام بہترین اسلوب اور بہترین الفاظ اور بہترین اخلاق کے ذریعے نہیں پہنچاتے اور قدیم جہالت یا جدید تعلیم کے مریضوں کی چارہ گری ایک ڈاکٹر یا طبیب کی سی محبت و توجہ سے نہیں کرتے، نیز ٹوٹے پھوٹے ابنائے آدم کے اندر سے نیا زندہ و توانا اور صاحبِ ایمان و کردار انسان پیدا کرنے کی محنتوں سے نہیں گذرتے، اُن کے اسلامی نصب العین کے لیے پُرزور رفتار سے نہ تو سپاہی پیدا ہو سکتے، اور نہ ماحول تیار ہو سکتا ہے۔ اس کام بدل نہ سیاسی ہنگامے ہو سکتے ہیں اور نہ جلسے جلوس اور نہ کتابیں اور پمفلٹ (یہ چیزیں اپنی جگہ ضروری بھی ہیں اور افادیت بھی رکھتی ہیں)۔ انسانوں کے قلوب اور ضمیروں سے اُٹھنے والا بھرپور، زوردار اور پائیدار انقلاب زیادہ تر بالمشافہ کام ہی سے ہوتا ہے۔ یہاں آج سے پہلے (بلکہ تشکیلِ پاکستان سے بھی پہلے) بے شمار اداروں نے تبلیغی رسائل بھی چھاپے، کتنی ہی جماعتوں نے جذبۂ اسلامی کے ساتھ

انتخابات میں معرکہ آرائیاں کیں، کتنے ہی مخلص لیڈروں اور علماء نے سچے اسلامی موضوعات پر زمانۂ حال سے کئی گنا بڑے جلسے کیے۔ ان کے بھاری استقبال ہوتے، ان کے اشاروں پر جلوس نکلے، مظاہرے ہوئے، لوگوں نے نہایت دلیری سے اپنے آپ کو مشین گنوں کا شکار بنایا۔ لیکن آج دیکھیے کہ وہ سارے بادل چھٹ گئے۔ اور آج ہم اسی زمین پر لادینیت کے حملے کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ خود ہم جو پچھلے سارے تجربوں کو سامنے رکھ کر ایک نئے تحریکی و انقلابی نقشۂ کار کے ساتھ تلافیٔ مافات اور تازہ تر فتوحات کے خواب لے کر اٹھے تھے، کہیں تو اصولوں میں تزلزل پیدا کرنے والی مصلحتوں اور مفاد کا شکار ہو گئے، کہیں عین ان قدروں اور روایات کو خطرے سے دوچار کر دیا، جن پر ہمارے تحریکی تشخص اور ہماری اخلاقی پہچان کا دارومدار تھا اور کہیں ترجیحات کو تبدیل کر کے (اجتماعِ ارکان ماچھی گوٹھ ۵۷) کے طے کردہ چار نکاتی لائحہ عمل کے توازن سے نگاہیں ہٹ گئیں۔ نتیجہ یہ کہ بنیادی دعوتی کام، جس کے نتیجے میں خدا کے ایک غلام یا ایک مزدور یا ایک سپاہی کی طرح جان ماری کر کے ہمارے ہر فرد کو سال بھر میں کم سے کم ۵ نئے آدمی تیار کر کے دینے چاہئیں تھے۔ اس مخصوص انقلابی مہم میں اس درجہ خلل واقع ہوا کہ سالانہ ایک آدمی کی دعوت سے فقط ایک نئے آدمی کے ظہور کا معیار بھی باقی نہ رہا۔ اگر اتنا بھی ہوتا تو گذشتہ ۱۱ سالہ دور میں جماعت عددی طور پر ہر سال دگنی ہو جاتی۔ اگر یہ جماعت ۱۱ مرتبہ دگنی ہوئی ہوتی تو آج ملک میں اسلامیت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود ہوتا۔

پھر بھی میں قدرت کی اس حوصلہ افزا نوازش کا بصد تشکر اعتراف کر کے بہت پُرامید ہوں۔ چند ہزار ارکان کے گرد متفقین، ہمدردوں اور حامیوں کی جو تعداد لاکھوں کے حساب سے موجود ہے وہ سال بہ سال بڑھتی ہے۔ تعداد بڑھتی ہے، لٹریچر بڑھتا ہے، مالیات بڑھتے ہیں۔ دائرہ ہائے کار بڑھتے ہیں ـــ یہاں تک کہ ہمارے ووٹروں کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ اور اس توسیع و ترقی کے کام میں ہماری صفِ قیادت سے لے کر کمزور سے کمزور کارکن کا اپنا اپنا حصہ ہے۔ خدا سب کو جزا دے۔

مگر اول تو یہ بڑھوتری مطلوبہ رفتار سے نہیں، کیونکہ انقلابی عمل کے بار آور ہونے کے لیے جلد سے جلد معاشرے میں تحریکِ اسلامی کے نقیبوں اور حامیوں کا تناسب بالغ آبادی

ین سے سیاسی و سماجی طور پر فعّال عناصر کے درمیان ۱ : ۳ کا ہو جانا چاہیے۔ اس لحاظ سے ہماری عددی قوت ارکان، متفقین، حامیان، متاثرین، کم سے کم ایک کروڑ ہونی چاہیے۔ سخت افسوسناک امر ہے کہ ساڑھے سینتالیس سال کے عرصے میں ہم اس ٹارگٹ کو حاصل نہ کر سکے۔ حالانکہ جب تک ہوٹلوں، بسوں، دفتروں، مجلسوں میں ہماری تحریک اور انقلابی حیثیت زیر بحث نہ آنے لگے اور گفتگوؤں میں غلبہ نظام اسلامی کے علمبرداروں کو حاصل نہ ہونے لگے تو کسی تحریک کے لیے راستہ نہیں کھلتا۔ انقلابی کام کے لوازم ہی یہ ہیں کہ ایک تو تیز رفتار توسیع اور دوسرے عام کارکنوں میں بھی اتنا شعوری استحکام ہو کہ وہ اپنی بنیادی دعوت، تصورِ نظامِ اسلامی، نظریہ انقلابِ اسلامی اور ماحول کے مسائل پر استدلال سے بات کر سکیں۔ جب کبھی ایمان و استدلال جمع ہو کر کام کرتے ہیں ذہنی دنیا میں اجالے پھیل جاتے ہیں۔ اور تاریکیاں اجالوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے اندھی آنکھوں سے پر پھڑپھڑاتی ہوئی ادھر ادھر ٹکراتی رہ جاتی ہیں۔

اسلامی انقلاب کے داعی کی سطح کو عام سیاسی نعرہ بازیوں اور فرقہ وارانہ کج بحثیوں کے لایعنی پن سے بہت بلند ہونا چاہیے۔ چڑیوں اور کبوتروں اور طوطوں کی دنیا میں عقابی شان دکھانی چاہیے۔

دوسرا تشویشناک مسئلہ یہ ہے کہ جس درجے کا اخلاقی استحکام تحریکِ اسلامی چاہتی ہے، اس کا جو کم سے کم معیار ارکان کے لیے دستوری طور پر طے شدہ ہے[1] اور یہی معیار دوسروں کے لیے نمونہ کا کام دیتا ہے، وہ آہستہ آہستہ نیچے آرہا ہے۔ مالی اور معاشی معاملات میں بگاڑ کی کئی مثالیں ہیں

[1] میرا خیال یہ ہے کہ دستور کی شرائطِ رکنیت کو اگر تنہائی میں ہم لوگ غور سے پڑھیں تو شاید ہم میں سے بعض کو ان کا ضمیر یہ بتائے گا کہ تم معیارِ مقررہ سے گر چکے ہو اور اب تمہارا بہ حیثیت رکن رہنا دستور کی خلاف ورزی ہے۔ یا کم از کم بہت سے لوگ یہ محسوس کریں گے کہ وہ اوپر کی طرف اٹھنے کے بجائے نیچے کو لڑھکے ہیں۔

پردے، تصویر، موسیقی اور لباس کے معاملات میں "زمانہ بسازد" کی خفیف سی رَو، ارکان کے باہمی جذبۂ اخوت میں دھیماپن، سمع و طاعت اور تنقید و احتساب میں کمی بیشی، غیبت و نجویٰ کی کمزوریاں، عہدوں کی غیر محسوس سی طلب، دیا کم سے کم ان کی ذمہ داری کے بھاری پن کے احساس میں کمی، بیت المال اور جماعتی وسائل کا کھلا استعمال، رشتہ داروں، دوستوں اور مجموعی معاشرے سے مشفقانہ اور خادمانہ تعلق کی کمی، رہ و رسمِ فقر و درویشی کو چھوڑ کر معیارِ زندگی کی دوڑ میں تھوڑی یا بہت شرکت اور آمدنیاں بڑھانے کے لیے کئی کئی اطراف میں ہاتھ مارنا ــــ جماعتی ذمہ داریوں کے ساتھ بھی اور ان کے بغیر بھی ــــ اولادوں کی تربیت کسی دوسری نہج پر، تقاریب میں اسراف کے علاوہ ہندوانہ اور فرنگی روایات کی آمیزش۔

یہ سب گراوٹ اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ دعوتِ حق کا کام ــــ ابتدائی تلقین سے لے کر تعلیمِ قرآن و سنت، پابندیٔ عبادات، مسنون طریقِ تنظیم و تزکیہ تک ــــ کسی دوسری آمیزش کے بغیر کیا جانا چاہیے تھا اور اس بے آمیز دعوت کے لیے ضروری تھا کہ لوگوں میں خدا کا سچا خوف اور اس سے عاجزانہ تعلق کی استواری اور اس سے امیدِ مغفرت رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے بھیجے ہوئے رسولِ مصطفیٰؐ کے لیے گہرا والہانہ جذبۂ محبت و وفاداری اور عدالتِ آخرت کے انعقاد اور اعمال کی جزا و سزا کا ایمان پوری طرح ابھار دیا جائے۔ انسانی قلب و روح کی یہ وہ اصل پٹڑیاں ہیں جن پر اسلامی انقلاب کی تحریکی گاڑی اپنی ساری بوگیوں کے ساتھ سفر کرتی ہے۔ یہ سارا بنیادی ڈھانچہ اگر ٹھیک ٹھاک ہو تو سیاسی یا پارلیمانی سرگرمیوں کو ساتھ ساتھ چلایا جا سکتا ہے۔

مشکل یہ ہے کہ دوسرے تمام طریقے جن سے بڑے بڑے ہجوم اور انبوہ اپنے گرد اکٹھے کیے جا سکتے ہیں وہ متذکرہ طرز کے انقلابی انسان فراہم نہیں کر سکتے، وہ بات بات پر مضطرب ہو کر نت نئے اشکالات پیدا کر لیتے ہیں۔ اور بار بار جمود میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور ان میں اتنا پائیدار کردار نہیں ہوتا کہ وہ دیر تک اور دُور تک کسی پھیکے، بے رونق اور بے ہنگامہ اور بظاہر ایک محدود مدت میں) بے نتیجہ کاروانِ انقلاب کی رو رو کے ساتھ چل سکیں۔

اساسی دعوتِ دین یہ چاہتی ہے کہ آپ تعلیم کے میدان میں کام کریں، یا صحافت و ادب میں،

یا سیاست و پارلیمان ہیں، ہر جگہ میرا رنگ نمایاں، میرا پیغام برتر اور میری آواز غالب رہنی چاہیے۔ آپ جب کسی دائرے میں دعوت کو ایک طرف ڈال دیں گے یا بعد کے لیے مؤخر کر دیں گے، اور دوسری کسی بھی سرگرمی کو دینی پیغام اور پکار سے خالی کر لیں گے تو پھر آہستہ آہستہ لوگوں میں دُنیویت کی وہ بیماری پیدا ہونے لگے گی کہ ان کے ہاں وقتی مسائل اور ہنگامی ضروریات اور کسی خاص دائرۂ حیات کے اعمال دین کے بندھن سے آہستہ آہستہ آزاد ہونے لگیں گے۔ اس لمبے عمل کی ابتدائی علامت یہی ہوتی ہے کہ کسی دینی تحریک کے لوگ فکر و مطالعہ، ایمان و عبادت، اخلاق و معاملات، اپنے اجتماعی احکام و ضوابط اور روایات و اقدار کے لحاظ سے اپنا وہ مقام چھوڑنے لگتے ہیں جس کے لیے کہا گیا ہے کہ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۔

ذرا سی مزید وضاحت، کہ دعوتِ حق کی مہم کا مقصود ایسے افراد تیار کرنا ہے جو اپنے رضاکارانہ جذبے اور اپنے اندر کی روشنی سے کام لے کر مقصدِ حق کے لیے طاغوتی ماحول اور طاغوتی طاقتوں کی زیادتیوں کو برداشت بھی کریں، ہر موقع کے لحاظ سے اپنی ذمہ داریوں کو خود سمجھیں اور ان کو اپنے ہی ضمیر کے تقاضے سے پورا کریں۔ اگر ہماری توجہات دوسری اطراف میں بکھر جائیں تو اس بنیادی کام کو نقصان پہنچے گا، جس پر تحریک کی ساری عمارت قائم ہے۔ ایسے مطلوب انسانوں کی تیاری اگر رُک گئی تو پھر باقی سارے کھیل ختم ہو جائیں گے۔ اللہ ایسی کوتاہی اور غفلت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

بہرحال ابھی معاملات قابو میں ہیں، ان کو سنبھالا جا سکتا ہے اور دعوتِ حق کی مہم کو ان اُصولوں کی بنیاد پر زیادہ زور سے شروع کیا جا سکتا ہے کہ:

۱ — دعوتِ حق انسانوں کو ان کے باطن سے مکمل طور پر بدلنے کا ذریعہ ہے۔

۲ — ہمارے پاس جماعت کے مؤسسِ اعلیٰ اور اس کے اوّلین ۷۵ معمارانِ جماعت کی یہ وصیت (مطابق بہ کتاب و سنّت) موجود ہے کہ ہمیں کس طرح کی جماعت چاہیے اور اس کے لیے کس معیار کے ارکان (و دیگر متوسلین) کی ضرورت ہے۔ دوسرے لفظوں میں تحریکِ اسلامی جس خاص طرح کی جماعت اور جس خاص طرح کا انسان (کارکن) چاہتی ہے وہ شوشہ بہ شوشہ اور نقطہ بہ نقطہ طے شدہ ہے۔

۳ ـــ بانیانِ جماعت نے یہ چاہا اور مولانا مودودیؒ نے اپنے لمبے دورِ امارت میں اور میاں طفیل محمد صاحب نے بہ حیثیت قیم معیارِ مقررہ سے گرنے والے ارکان کو فوراً نکال باہر کیا۔ اس کی ایک بڑی مثال آپ کو رودادِ جماعت اسلامی حصہ سوم میں ملے گی جب کہ ڈھلمل قسم کے ارکان کی ایک کھیپ کی کھیپ (تین سو سے کچھ ہی کم افراد) کو جماعت سے الگ کر دیا گیا۔ حالانکہ کچھ ہی عرصہ قبل چند نامی گرامی علماء اپنے ساتھ متعدد غیر مولوی افراد کو بھی نکال کے لے جا چکے تھے۔ دوسری مثال ماچھی گوٹھ کے ارکانِ اجتماع کے زمانے میں خاصی تعداد کا الگ ہونا ہے، ان کی خاطر پروگرام یا معیار کو نہیں بدلا گیا۔ اس کے علاوہ انفرادی کمزوریوں اور انتخابات یا کسی اور معرکے میں غلط روی کا شکار ہونے والے ارکان کی کچھ نہ کچھ تعداد ہر سال اس چھوٹی سی جماعت سے الگ کی جاتی رہی تاکہ معیار نہ تباہ ہو۔ اور اسی لیے جماعت کا اثر و نفوذ بھی زیادہ رفتار رکھتا تھا۔

قارئین کرام گفتگو کا بہت کم ہی حصہ جگہ پا سکا، مزید بحث شمارہ آئندہ میں ملاحظہ کیجیے۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔

(ادارہ)

حکمتِ سیّد مودودیؒ

مولانا مودودیؒ کا ایک یادگار بیان ۱۹۳۶ء

(بہ سلسلہ نظامِ تعلیم حیدر آباد دکن)

یہ بیان پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب کا فراہم کردہ ہے۔

۱۹۳۶ء میں ریاست حیدر آباد کے نظامِ تعلیم کی تنظیمِ جدید کی ایک ذیلی کمیٹی نے جو مسٹر اے۔ ایچ میکنزی وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی اور مسٹر فضل محمد خاں ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ریاست حیدر آباد پر مشتمل تھی، انہوں نے اپنی رپورٹ پیش کی ہے۔ اس رپورٹ کے ضمیمہ (ج) میں ریاست کے اہلِ علم و دانش، صحافیوں، ماہرینِ تعلیم اور لیڈروں کے بیانات درج کیے گئے ہیں، جنہیں کمیٹی نے اپنے روبرو موجودہ نظام کی تنظیمِ جدید کے ضمن میں اظہارِ خیالات کے لیے مدعو کیا تھا۔ فہرست کے نمبر ۳۸ پر ابوالاعلیٰ مودودیؒ ایڈیٹر ترجمان القرآن کا تذکرہ ہے، جن کے خیالات کی رپورٹ میں اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

مولانا مودودی تعلیم کی مجوزہ تنظیم جدید سے اتفاق کرتے ہیں اور یہ تجویز پسند کرتے ہیں کہ کنڈرگارٹن اور پرائمری تعلیم کے لیے پانچ سالہ نصابِ تعلیم مقرر ہونا چاہیے۔ ادنیٰ ثانوی درجات کے لیے چار سالہ نصابِ تعلیم مقرر ہونا چاہیے۔ آٹھویں درجے کے بعد امتحان عام لیا جانا چاہیے۔ اعلیٰ ثانوی درجات کے لیے تین سالہ نصابِ تعلیم مقرر ہونا چاہیے۔ اور گیارھویں درجے کے بعد امتحان عام لیا جانا

چاہیے ۔ دونوں عام امتحانات ثانوی تعلیمی بورڈ کی نگرانی میں لیے جانے چاہئیں۔

ذریعہ تعلیم کے سلسلہ میں مولانا مودودیؒ شدت سے اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ مملکت میں رابطۂ عوام اور ثقافت کے لیے صرف ایک زبان ہونی چاہیے ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تیلگو بولنے والا علاقہ کنڑی اور مراٹھی کو عمومی زبان کی حیثیت سے قبول نہیں کرے گا ۔ نہ مراٹھی علاقہ تیلگوں اور کنڑی کو عمومی زبان کی حیثیت سے قبول کرے گا ۔ اس لیے ان کے خیال کے مطابق مدارس ثانویہ میں اُردو کو ذریعہ تعلیم مقرر کرنا چاہیے ۔ مزید برآں وہ فرماتے ہیں کہ اب تک مملکت کے بہت سے ثانوی مدارس میں ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اُردو کامیاب رہی ہے ۔ اس لیے کوئی وجہ معقول نہیں ہے کہ ساری مملکت کے تمام ثانوی مدارس میں اُردو کو کیوں ذریعۂ تعلیم نہ بنا دیا جائے ۔ ان کا خیال ہے کہ پرائمری مرحلہ میں دو سال اُردو کی تعلیم بہت کافی ہے ۔ اس امر کے لیے کہ اُردو کو درجہ پنجم سے تقریباً تمام ہی ثانوی مدارس میں رائج کر دیا جائے۔

مولانا مودودی نظامِ تعلیم کے دوہرے الحاق کے بھی خلاف ہیں ۔ ان کے خیال تعلیمی درس گاہوں پر سے جامعہ مدارس کا کنٹرول جلد از جلد ختم کر دینا چاہیے ۔ نظام کالج (اورنگ آباد) میں بتدریج اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانا چاہیے ۔ مولانا مودودی نے مزید وعدہ فرمایا ہے کہ وہ تعلیمِ نسواں کے متعلق ایک نوٹ کمیٹی کو ارسال کریں گے ۔ (سرکاری رپورٹ ص ۴۳)

یہ بیان یادگاری مجلہ بموقع چھٹا آل انڈیا اجتماع جماعت اسلامی ہند، حیدرآباد، منعقدہ بتاریخ ۲۰ تا ۲۳ فروری ۱۹۸۱ء سے ماخوذ ہے (صفحہ ۲۶۴)

اسماءُ القرآن

جناب محمد رفیق صاحب ۔ منصورہ

(۳)

کتاب | قرآن مجید کی ایک صفت "الکتاب" ہے، جس کے معنی ہیں "تحریر"، "ضابطہ"، "حکم"، قانون، مجموعہ۔ قرآن مجید ان معنوں میں "الکتاب" ہے کہ وہ ربّ العالمین کا ضابطہ و قانون اور حکم نامہ ہے۔ اور سورتوں کا مجموعہ ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

اور یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے، بڑی برکت والی ہے اور مصداق ہے اُن کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں، تاکہ آپ خبردار کریں مکہ اور اِس کے اردگرد والوں کو۔

(الانعام-۹۲)

کریم | قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "الکریم" جس کے معنی ہیں شرف والا، باوقار اور معزز۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید ان معنوں میں "الکریم" ہے کہ وہ کسی حقیر مخلوق کی بات نہیں ہے۔ وہ کسی جن یا کاہن کا قول نہیں ہے، بلکہ اس کائنات کے خالق و مالک کا برگزیدہ کلام ہے۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝　　اور یہ ایک معزز قرآن ہے۔

(الواقعہ - ۷۷)

کلام اللہ | قرآن مجید کی ایک صفت "کلام اللہ" ہے، جس کے معنی ہیں اللہ کی بات یا اللہ کا قول۔

قرآن مجید ان معنوں میں "کلام اللہ" ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، کسی مخلوق کی کہی ہوئی بات یا کسی بندے کا قول نہیں ہے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ　　اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ
اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ　　سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ
يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ　　دیں تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے پھر
أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ　　اُسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں۔

(التوبہ - ۶)

مبارک | قرآن مجید کی ایک صفت "مبارک" آئی ہے۔ جس کے معنی ہیں بابرکت، فیض بخش، اضافے والی۔ قرآن مجید اس اعتبار سے "مبارک" ہے کہ اس سے انسان پر راہ ہدایت بآسانی کھلتی ہے۔ اس کے ایمان عمل میں برکت ہوتی ہے۔ اس کے پڑھنے، اس کے سمجھنے اور اس کے مطابق زندگی گذارنے میں ثواب و اجر ہے جسے اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ یہ فیض پہنچانے والی اور برکت دینے والی کتاب ہے۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ　　اور یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے،
مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي　　جو مبارک ہے اور مصداق ہے اس کی جو اس
بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ　　سے پہلے ہو چکی ہیں۔ تاکہ آپ خبردار کریں مکہ
أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ　　اور اس کے ارد گرد والوں کو۔

(الانعام - ۹۲)

مبین | قرآن کا ایک صفاتی نام "مبین" ہے، جس کے معنی ہیں واضح، کھلا، ظاہر۔ قرآن مجید اس لحاظ سے مبین ہے کہ وہ اپنی تعلیمات کو بالکل واضح طور پر پیش کرتا ہے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝ (یٰسٓ - ۶۹)
یہ تو ایک نصیحت اور واضح قرآن ہے۔

مُتشابہ | قرآن مجید کی ایک صفت "متشابہ" آئی ہے جس کے معنی ہیں باہم ملتا جلتا، تضاد سے پاک، ہم رنگ، ہم آہنگ ۔ قرآن مجید ان معنوں میں متشابہ ہے کہ اس کی تعلیمات ملتے جلتے انداز میں جلوہ گر ہوتی ہیں - ایک ہی واقعہ مختلف اسلوبِ بیان سے ہمارے سامنے آتا ہے - اور اس کے مضامین میں کسی طرح کا تضاد نہیں ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج
اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے، ایک کتاب باہم ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی۔ اس سے ان لوگوں کی جلد کانپ اٹھتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

(الزمر - ۲۳)

مَثانی | قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "مثانی" بھی ہے - جس کے معنی ہیں جوڑا جوڑا، دہرائی جانے والی چیزیں، ــ قرآن مجید اس پہلو سے "مثانی" ہے کہ اس میں متوازی اور متضاد چیزوں کو بیان کرنے کا اسلوب پایا جاتا ہے - ایک جگہ اہل ایمان کا ذکر ہے تو ساتھ ہی اہل کفر کا ذکر بھی ملتا ہے ۔ اس طرح جنت کے تذکرے کے ساتھ دوزخ کا تذکرہ بھی ہوتا ہے - نیز وہ ایک ہی قسم کے واقعات و قصص کو کئی مختلف اسالیب بیان سے دہراتا ہے - کہیں مجمل اور کہیں مفصل انداز سے پیش کرتا ہے -

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج
اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے ایک کتاب، باہم ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی۔ اس سے اُن لوگوں کی جلد کانپ اُٹھتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

(الزمر - ۲۳)

مجید | قرآنِ حکیم کا ایک صفاتی نام "مجید" ہے - جس کے معنی بزرگی والا، اور برتر کے ہیں -

یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے ۔ قرآن مجید اس اعتبار سے "مجید" ہے کہ وہ بزرگ و برتر ہستی کا بزرگ و برتر کلام ہے ۔ وہ ایسا کلام ہے جس کی بہت سی خوبیاں اور کمالات ہیں۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ	اصل یہ ہے کہ یہ بزرگی والا قرآن ہے
فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝	لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ۔

(البروج - ۲۱، ۲۲)

مُصَدِّق | قرآن مجید کا ایک وصف "مُصَدِّق" ہوتا ہے جس کے معنی ہیں مصداق، تصدیق و تائید کرنے والا ، قرآن مجید ان معنوں میں مُصَدِّق ہے کہ وہ انبیاء سابقین اور پہلی کتابوں کی پیش گوئیوں کا مصداق ہے ۔ اور وہ سابقہ کتبِ سماویہ کے بارے میں یہ تصدیق و تائید کرتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض انبیاء کرام پر نازل ہوئی تھیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ	اور یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے
مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ	بڑی برکت والی ہے اور مُصَدِّق (مصداق)
يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى	ہے اس کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں، تاکہ
وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ	آپ خبردار کریں مکہ اور اس کے ارد گرد والوں کو۔

(الانعام - ۹۲)

موعظت | قرآن مجید کی ایک صفت "موعظت" بھی آئی ہے ، جس کے معنی ہیں نصیحت ، خیر خواہی اور کسی شخص کو کسی کام کے اچھے اور بُرے نتیجے سے آگاہ کرکے اس کے دل کو نرم کرنا - قرآن مجید کو "موعظۃ" اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے - اس میں ان کی خیر خواہی اور بھلائی کے جذبے سے اُن کو سمجھایا گیا ہے ۔ اور اُن کو اُن کے اچھے اور بُرے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے ۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ	یہ لوگوں کے لیے ایک بیان ہے اور ڈرنے
هُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝	والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ۔

(آلِ عمران - ۱۳۸)

مُہَیمِن | قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "مُہَیمِن" ہے، جس کے معنی ہیں نگہبان، محافظ، یہ لفظ امن سے بنا ہے۔ اور اس میں ہمزہ (ء) ہ سے بدل گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید ان معنوں میں 'مہیمن' ہے کہ یہ اپنے سے پہلے کی تمام کتب سابقہ کی اصل اور بنیادی تعلیمات کا محافظ اور اُن کی صداقتوں کا امین ہے۔

وَ اَنزَلنَاۤ اِلَیکَ الکِتٰبَ	اور ہم نے آپ پر یہ کتاب برحق اُتاری
بِالحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَینَ	ہے جو مصداق ہے اُن کتابوں کی جو اس سے
یَدَیهِ مِنَ الکِتَابِ وَ	پہلے آچکی ہیں۔ اور اُن پر مہیمن (محافظ)
مُهَیمِنًا عَلَیهِ۔	ہے۔

(المائدہ ۵ - ۴۸)

نذیر | قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "نذیر" بھی ہے۔ جس کے معنی ہیں خبردار کرنے والا، خطرے سے ڈرانے والا۔ یہ لفظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کے طور پر بھی آیا ہے۔ قرآن مجید اس اعتبار سے نذیر ہے کہ وہ انسان کو اُس کی بداعمالی کے بُرے انجام سے خبردار کرتا ہے۔ اور اُسے اللہ کی نافرمانی کے نتیجے میں ہونے والے دوزخ کے عذاب سے ڈراتا ہے۔

کِتٰبٌ فُصِّلَت اٰیٰتُهٗ	یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان
قُراٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَومٍ یَّعلَمُونَ ۝	کردی گئی ہیں یعنی قرآنِ عربی جو سمجھ والوں
بَشِیرًا وَّ نَذِیرًا ج	کے لیے مفید ہے اور انہیں بشارت دینے والا
(حٰمۤ سجدہ ۴۱، ۳، ۴)	اور خبردار کرنے والا ہے۔

نُور | قرآن مجید کا ایک نام "نور" بھی ہے، جس کے معنی روشنی اور اُجالے کے ہیں۔ قرآن مجید ان معنوں میں نُور ہے کہ وہ جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کو دُور کرتا ہے۔ اور علم و ہدایت کی روشنی بکھیرتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَد	اے لوگو! تمہارے پاس بیِّنۃ ایک
جَآءَکُم بُرهَانٌ مِّن	دلیل تمہارے رب کی طرف سے
رَّبِّکُم وَ اَنزَلنَاۤ اِلَیکُم	آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف

نُوْرًا مُّبِيْنًا ؁ ایک کھلا ہوا نور بھیجا ہے۔

(النساء۔۴-۱۷۴)

وحی | قرآن مجید کی ایک صفت "وحی" ہے، جس کے معنی ہیں "اشارۂ سریع"، القاء اور الہام کے ہیں۔ قرآن مجید ان معنوں میں وحی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بات اور اس کا پیغام ہے کسی مخلوق کا قول نہیں ہے۔ وہ خالقِ کائنات کا کلام ہے جو اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ؁ یہ تو تمام تر وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

(النجم۔۴)

ھُدًی | قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "ھُدًی" بھی ہے، جس کے معنی ہدایت اور رہنما کے ہیں۔ قرآن مجید اس اعتبار سے ھُدًی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوعِ انسانی کے لیے سراپا ہدایت ہے۔ وہ انسان کو صحیح راہ پر چلاتا اور غلط راہوں سے بچاتا ہے۔ وہ گمراہی سے نکال کر صراطِ مستقیم کی طرف بلاتا ہے۔ اور انسان کو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں کی جانب دعوت دیتا اور اس کی نافرمانی کے کاموں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ انسان کو صحیح، بامقصد، نیک اور اللہ کے احکام کی تابع زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور شیطان کے راستوں کو چھوڑنے کی تاکید کرتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ ― ماہ رمضان وہ ہے جس میں ایسا قرآن
اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى ― نازل کیا گیا۔ جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے
لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى ― اور اس میں ہدایت اور فرقان کے کھلے دلائل
وَالْفُرْقَانِ ۚ ― موجود ہیں۔

(البقرہ۔۱۸۵)

اسی طرح قرآن مجید نے اپنے بہت سے اسماء و القاب اور صفاتی ناموں کے ذریعے اپنا تعارف خود ہی کرا دیا ہے۔ اس کے بعد اس کی حقیقی عظمت و جامعیت کا صحیح تصور ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

علم کی اِسلامی تشکیل

نتیجۂ فکر اسماعیل الراجی الفاروقی شہید

تعارفی سطور | شہیدِ راہِ حق اسماعیل راجی الفاروقی (سابق ڈائریکٹر بین الاقوامی ادارۂ فکرِ اسلامی) کی شخصیت عالمِ اسلام میں معروف عام ہے۔ اِس بات سے پوری طرح متاثر ہو کر کہ انسانِ جدید کی زبوں حالی کا علاج محض ہدایتِ ربانی اور علومِ اسلامی میں ہے، انہوں نے اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتوں اور جسمانی قوّتوں کو اللہ کی راہ میں اور امریکی مسلمانوں کی خدمت میں صرف کر دیا۔ اقوامِ متحدہ امریکہ* محض ان کی موجودگی کی وجہ سے ٹمپل یونیورسٹی (TEMPLE UNIVERSITY) اسلامی علوم کا ایک بلند مرتبہ مرکز بن سکی۔ اسلام اور اسلامی علوم کی دیارِ کفر میں ترقی و ترویج کو دشمنانِ اسلام کیوں کر اور کہاں تک برداشت کرتے۔ جارحیت پسند MILLITANT مخالفینِ اسلام نے جناب اسماعیل کی مجاہدانہ دعوتی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے موصوف اور ان کی اہلیۂ محترمہ کو شہید کر دیا۔

شہید اسماعیل راجی الفاروقی کے کیے ہوئے کاموں میں سے ایک چھوٹی سی کتاب ISLAMIZATION OF KNOWLEDGE کا ترجمہ انڈیا میں سیّد عاصم علی صاحب نے کیا۔ اور مینیجر فار ایسٹرن اسٹیڈیز آف سائنس" نے فریدی ہاؤس، سر سید نگر، علی گڑھ سے اسے شائع کیا۔ اس کو مصنف کے پبلشر کے شکریے کے ہم ساتھ ہم پیش کر رہے ہیں۔

یہ اس لحاظ سے حیران کن اور دلآویز تحریر ہے کہ اس میں نہایت ہی اجمال و اختصار کے ساتھ ہماری موجودہ تعلیمی شکست کا تجزیہ کیا گیا ہے اور پھر علم اور تعلیم کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے

رہنمائی کی گئی ہے۔

دیباچہ از مؤلف شہید۔ | بین الاقوامی دائرۂ فکرِ اسلامی دُنیا کے علماء اور دانشوروں کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کرتے ہوئے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ یہ رسالہ اسلامی خطوط پر علوم کی اسلامی تشکیلِ نو کے بارے میں ہے۔ اور ذمہ داران ادارہ کے نزدیک پندرھویں صدی کے پہلے عشرہ کی رعایت سے مناسب ترین تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسالہ مجوزہ عنوان پر ان دو مقالوں کا نچوڑ ہے جو ادارہ کے صدر اور ڈائریکٹر صاحبان نے اسلام آباد میں منعقد ہونے والے سیمینار میں پیش کیے گئے تھے۔ مزید برآں اس تالیف میں سیمینار میں شریک پچاس مزید دانشوروں کی آراء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ سیمینار کا اہتمام اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور بین الاقوامی ادارۂ فکرِ اسلامی کی جانب سے کیا گیا تھا جس کا انعقاد جنوری ۱۹۸۲ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کو اسلام آباد میں عمل میں آیا۔

زیرِ نظر مقالہ کی ناگزیر اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ احوالِ حاضرہ کا تجزیہ، ماضی سے استفادہ اور مطلوبہ جہات میں پیش قدمی کے لیے خاکہ سازی اور منصوبہ بندی ہی بقا اور خوش حالی کی ضامن اور ناگزیر ضرورت ہے۔ خدا کا واضح فیصلہ ہے کہ لَا يُغَيِّرُ اللّٰهُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (خدا اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے) تاریخ کا ایک ناقابلِ تغیّر اصول ہے۔ یہ مقالہ اس شدید احساس کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے کہ اُمّتِ مسلمہ موجودہ دور میں سخت بیچارگی اور مصائب سے دوچار ہے اور اس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اُمّت کے مصائب کا حل تلاش کیا جائے تاکہ اس کو اس کی اصل کیفیت پر واپس لایا جا سکے۔ اور اس کے اندر یہ احساس و عزم پوری شدّت کے ساتھ دوبارہ پیدا کیا جا سکے کہ اس کو دُنیا اور اقوام کی امامت و قیادت کا منصب سنبھالنا ہے کہ جس کے لیے اس کو وجود میں لایا گیا تھا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔

(اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمّتِ وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں)

یہ چند باتیں ایک اسلامی مفکر کے ذہن کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیئے کافی ہیں جو یقیناً اس کے دل میں ازلی وعدے کو پورا کرنے کی روحانی تڑپ اور مستقبل میں اس کی عملی تعبیر کا جذبہ پیدا کریں گی۔

چودہویں صدی کے نصف آخر میں اسلامی بیداری کی ایک لہر پورے عالم میں دوڑ گئی ہے اور اسی دوران دنیائے اسلام کے منتشر شیرازے نے آزادی کی جانب ایک اہم قدم اٹھایا ہے، ساتھ ہی ساتھ ایسا بھی ہوا ہے کہ اسی چودہویں صدی میں مسلمان عام طور سے اجنبی تہذیبوں کی جانب تیزی سے لپکتے رہے ہیں، مگر اجنبی تہذیبوں کی جانب یہ دوڑ ہر میدان میں ناکامی پر منتج ہوئی ہے۔ ہاں اس کے نتیجے میں اتنا ضرور ہوا کہ امت کا بالا طبقہ اسلام سے دور ہوتا چلا گیا اور باقی طبقات ہمتیں ہار بیٹھے۔ اسلامی اندازِ نظر پر دوسرے انداز غالب آگئے جو نوآبادیاتی نظام کے علمبردار حملہ آوروں کی دین تھے۔ اجنبی نقطہ ہائے نظر مسلم معاشرہ میں راہ پاگئے اور حملہ آوروں کے رخصت ہوجانے کے بعد ان کو تقویت ملی۔ کئی نسلوں تک مسلم امت ان غیر اسلامی افکار و خیالات سے چھٹکارا پاسکنے کے قابل نہ ہوسکی جن کا عکس اب بھی ہر جگہ جھلکتا ہے اور جس کا مشاہدہ مسلمانوں کے درآمد کردہ اداروں میں انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے درمیان مقبول ہونے میں، گھروں اور شہروں میں، تفریحی پروگراموں میں، معاشی اور سیاسی سرگرمیوں میں اور فطرتِ انسانی اور معاشرے سے متعلق ان کے نظریات میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ تعلیمی نظام اجنبی افکار کو پھیلانے اور رائج کرنے کا ایک اہم وسیلہ ثابت ہوا۔ اس تعلیمی نظام کے دو حصے ہیں۔ ایک جدید اور دوسرا اسلامی تعلیمی نظام کی یہ تقسیم ہی مسلمانوں کے زوال کا خلاصہ ہے۔ اس تقسیم کو اولین فرصت میں دفع کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ امت کی تشکیل اور تعمیر نو کی ہر سعی کو یہ تقسیم ناکام بنا دے گی اور امت کبھی اس بارِ امانت کو اٹھانے کی متحمل نہ ہوسکے گی جس کا وعدہ وہ اپنے پروردگار سے کرچکی ہے۔

ماضی میں کچھ مسلمان دانشوروں نے اسلامی نظامِ تعلیم کی اصلاح کی یہ صورت نکالی کہ اس کے نصاب میں اجنبی افکار سے مستعار لی ہوئی چیزوں کی پیوندکاری کردی جائے۔ سر سید احمد خان اور محمد عبدہ اسی طرزِ فکر کی حامل شخصیتیں ہیں۔ اسی اندازِ فکر پر عمل کرتے ہوئے جمال عبدالناصر نے مضبوط اسلامی قلعہ جامعۃ الازہر کو ۱۹۶۱ء میں ایک جدید یونیورسٹی میں تبدیل کردیا۔ اس تجدیدی فکر کی پوری عمارت اس مفروضہ پر قائم کی گئی تھی کہ نام نہاد "جدید علوم" بے ضرر ہیں اور امتِ مسلمہ کی تقویت کا باعث۔ اس نقطہ پر کم ہی توجہ دی

نظریہ کے مختلف پہلو ہیں جو اسلام کے لیئے قطعاً بیگانہ ہے۔ یہ لوگ اس لطیف مگر لازمی تعلق کو شاید ہی سمجھ سکے ہوں جو ان علوم کے طریقہ ہائے تنظیم اور نظریہ ہائے صداقت اور علم کو اجنبی دنیا کے نظامِ اقدار کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ اسی سبب سے ان کے اصلاحی کارنامے کچھ مثبت نتائج پیدا نہ کرسکے۔ ایک جانب جمود پذیر اسلامی علوم کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور دوسری جانب جدید علوم کا اضافہ بھی وہ عظمت نہ بخش سکا جو اس نے اپنے موجدوں کو اپنے اصل وطن میں بخشی تھی، بلکہ توقع کے بالکل برعکس اس طرزِ فکر و عمل نے مسلمانوں کو اجنبی تحقیق اور قیادت کا محتاج ضرور بنا دیا۔ معروضی طرزِ فکر کے بلند بانگ دعووں کے بل بوتے پر جدید فکر نے مسلمانوں سے ان اسلامی عقائد کے منافی افکار کو تسلیم کرا کے چھوڑا جو ترقی کے علمبرداروں کے نزدیک رجعت پسندی اور قدامت پرستی کا دوسرا نام تھا۔

تعلیمی اصلاح کے ایسے گھٹیا اور مفر طریقوں سے دست بردار ہونے کے لیے یہ موقع مناسب ہے۔ مسلمان دانشوروں کا فرض ہے کہ وہ اس کا فائدہ اٹھائیں۔ ان کے نزدیک تعلیمی اصلاح تو خود علوم جدیدہ کی اسلامی تدوین و تشکیل ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو ہمارے پیشروؤں کے عمل سے مماثل تو ہے، مگر اس کا دائرہ کار ان اسلاف کے دائرۂ کار سے وسیع تر ہے جنہوں نے ہمعصر علوم سے استفادہ تو کیا مگر ورثہ میں اسلامی ثقافت و تہذیب کو چھوڑا۔ ادبی، معاشرتی اور طبعی علوم کی تفہیم و تشکیلِ نو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اب علوم کو لازمی طور پر اسلامی بنیاد فراہم کی جانی چاہیئے اور اسلامی طرزِ فکر سے ہم آہنگ مقاصد کا ان کو پابند کیا جانا چاہیئے۔ ہر شعبۂ علم یا مضمون کی تدوینِ نو کی جانی چاہیئے تاکہ اس کی منہاجیات (METHODOLOGY)، حکمتِ عملی (STRATEGY)، بنیادی مفروضات، مقاصد اور مسائل کو حل کرنے کے طریقوں میں اسلامی اصولوں کو سمویا جا سکے۔ ہر مضمون کی نئی صورت گری اس طرح ہونی چاہیئے کہ اس کا تعلق اسلام کے نظامِ اقدار سے استوار ہو جائے۔ جس کی مثال ایک سہ نکاتی نظریۂ توحید کی ہے۔ پہلا نکتہ وحدتِ علم کا ہے جس کے تحت تمام شعبہ جات علم -DISCIP LINES- حقیقت کی تلاشِ عقلی، معروضی اور تنقیدی سطح پر کریں۔ اس طرح یہ قضیہ ہمیشہ کے لیئے ختم ہو جائے گا کہ کچھ علوم عقلی ہوتے ہیں اور کچھ نقلی (TRADITIONAL) یعنی جن کا تعلق عقل سے نہیں ہوتا۔ یا یوں کہہ لیجیئے کہ کچھ علوم مجرد اور سائنسی ہوتے ہیں اور کچھ اضافی اور اعتقادی۔ دوسرا نکتہ وحدتِ حیات کا ہے جس کے تحت سارے علوم کو فطرتِ تخلیق کی یک رنگی اور توافق پر توجہ مرکوز کرنی چاہیئے تاکہ یہ

بحث ختم ہو سکے کہ کچھ علوم اہم ہوتے ہیں اور کچھ بے قیمت یا بے اثر۔

تیسری ضرورت وحدتِ تاریخ ہے، جس کے تحت تمام علوم اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد تمام انسانی حرکات کے پیچھے معاشرتی مزاج کارفرما ہوتا ہے معاشرہ کی تاریخی خدمت پر مامور ہو جائیں۔ اس طرح تمام علوم انسانی اور معاشرتی شکل اختیار کر لیں گے اور ان کی انفرادی اور معاشرتی تقسیم ختم ہو جائے گی۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کا تعلق زندگی، حیات وفکر اور تفکر کے تمام پہلوؤں سے ہے اس تعلق کو علم کے تمام پہلوؤں میں اجاگر کیا جانا چاہیے۔ ہر مضمون کے متعلق درسی کتب کو دوبارہ لکھا جانا چاہیے جس میں متعلقہ میدانِ علم کو اسلامی رویت (VISION OF REALITY) پر منطبق کیا جانا چاہیے۔ مزید برآں مسلم اساتذہ کی تربیت اس انداز سے ہونی چاہیے کہ وہ نئی درسی کتب کو پڑھانے کا حق ادا کر سکیں۔ مسلم یونیورسٹیوں، اسکولوں اور کالجوں کو اسی طور پر بدلنا چاہئے کہ وہ تاریخِ عالم میں اپنا قائدانہ مقام پھر حاصل کر سکیں۔ فکرِ اسلامی سے مالا مال یہ مدرسہ ہی تھا جو رفتہ رفتہ وقف کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور اسی سبب سے اس کو اپنا قانونی تشخص اور خود مختاری حاصل ہوئی تھی۔ یہ بصیرتِ اسلامی ہی تھی جس نے انہیں مدرسوں کو پیرس، آکسفورڈ اور کولون کی بارھویں صدی کی یونیورسٹیوں کے لیے نمونہ بنا دیا اور اسی اسلامی منظر نے مدرسہ کو انسانی کاوش و جستجو کے ہر میدان کا رہنما ٹھہرایا، انسانی شخصیت و کردار کو تبدیل کرنے والا بنا دیا۔ اور اُمت کے شاندار کارناموں کو تہذیب و ثقافت کے جزو کی حیثیت دی۔ مدرسہ اسلامی نظم کی پابندی کیا کرتا تھا۔ اس کا روزانہ عملی پروگرام نمازِ فجر سے شروع ہو کر نمازِ عشاء پر ختم ہوا کرتا تھا۔ اس کا نظامِ تدریس ایک ہمہ وقتی پروگرام تھا جس میں طلبہ اور اساتذہ ایک ہی مقصد کے تحت ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ یہ مقصد تھا تخلیق میں سنّتِ اللہ کا ادراک۔ تعلیم و تدریس استاذ (شیخ) کے غیر متزلزل کردار پر منحصر تھی۔ طالب علم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف استاد کی ساری صلاحیتیں اپنے اندر جذب کرے گا بلکہ اس سے بھی آگے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ نصاب کی تکمیل پر شیخ دستار بندی کی تقریب میں اپنے شاگردوں کو "امامت" کی سند عطا کرتا تھا جو اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ شاگرد کی بات بھی اب اتنی ہی مستند اور وزنی ہے جتنی اس کے استاد کی۔ اس کے علاوہ ایسے طلبہ اساتذہ کی نمائندگی کرنے کے اہل سمجھے جاتے تھے۔ تعلیمی معیار اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتا

تھا اس لیے کہ استاد کی عزت اور توقیر کا معاملہ بہت سنجیدہ اور اہم تصور کیا جاتا تھا، جس کا انحصار طلبہ کی کارکردگی پر تھا۔ تعلیمی میدان میں یہ نمایاں عظمت اسی سبب سے حاصل ہوسکی کہ نظم تعلیم کا دارومدار اسلامی فکر پر تھا جس کا لازمی تقاضا عزم صمیم کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر حقیقت کی تلاش کرنا ہے۔

مگر ان سارے حقائق کے باوجود پندرھویں صدی ہجری کے اوائل میں مسلمان اپنے طلبہ کے ہجوم میں تو گھرا پاتے ہیں مگر تعلیمی نظم کے فطری ارتقا کے متعلق خالی ذہن ہیں۔ وہ ہر سمت علم کے بہاؤ کو دیکھتے ہیں مگر ان کے دانشوروں یا اداروں یا مفکرین کے پاس اس علمی سیلاب سے نبرد آزما ہونے کے لیے کوئی پروگرام، خاکہ یا نقشہ نہیں ہے۔ دنیائے اسلام سے نوجوان مغربی دنیا کا رخ کرتے رہتے ہیں، تاکہ تعلیم و تربیت حاصل کرسکیں اور ان کی تعداد بڑھتی ہی جاتی ہے۔ مسلمان ان کے ذہنی ضیاع کو برداشت کرتے رہتے ہیں۔ اس المیہ میں مزید شدت اس وقت پیدا ہوجاتی ہے جب پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا ہی میں یعنی عراق اور اسلامی جمہوریہ ایران باہم دست و گریبان ہوجاتے ہیں۔ سوویت روس افغانستان پر حملہ کردیتا ہے۔ اسرائیل لبنان میں در آتا ہے، گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کرلیتا ہے اور فلسطین کو باقاعدہ اپنا باجگذار بنالیتا ہے، مغربی صحارا، مشرقی افریقہ، جنوبی عرب اور فلپائن میں مستقل جنگیں جاری رہتی ہیں اور ہندوستان کی سب سے بڑی تاریخی اقلیت یعنی مسلمانوں پر ظلم و جور روا رکھا جاتا ہے۔ مزید برآں اسلامی تحریک کے کارکنان کو ساری دنیا میں دہشت کا ہدف بنالیا جاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ ان کی کردار کشی کی مہم بھی شروع کردی جاتی ہے اور غلط سلط خیالات ان سے منسوب کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ خود اسلام کا مقصد بھی خطرہ کی زد میں نظر آتا ہے۔

یہ سارے عوامل امت مسلمہ کو مزید تاریکی اور افسردگی میں دھکیلنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ دور حاضر میں اس سے زیادہ اہم کوئی بات نہیں کہ تمام دانشور امت کے مسائل کے حل کی تلاش پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کردیں اور اس کے امراض کے علاج کی تدبیر کریں۔ تاریخ میں پہلے کبھی بھی جنگی نعرہ اللہ اکبر کی اس قدر ضرورت دانشوروں کے طبقہ کو نہ تھی جتنی اب ہے۔

کاش کہ امت کا دانشور طبقہ اٹھ کھڑا ہو اور چیلنج کا مقابلہ کرے، خدا اس کی رہنمائی اور

مدد کرے۔ خدا کرے کہ دانشور ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور تمام مومنین کی رضا کا سبب بن سکے۔ (آمین)

اُمت کا المیہ اُمتِ اسلام فی زمانہ دُنیا میں اقوام کے پست ترین مقام پر کھڑی پائی جاتی ہے۔ اس صدی میں کسی دوسری قوم کو ایسی شکست اور رسوائی سے دوچار نہیں ہونا پڑا، جیسی کہ مسلمانوں کے حصے میں آئی۔ مسلمانوں کو تھکا مارا گیا۔ اُن کا قتلِ عام کیا گیا۔ ان کی زمین جائداد پر ڈاکہ مارا گیا۔ اور اُن کو زندگی اور اس کی آرزوؤں سے محروم کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو فریب دیئے گئے۔ ان کو نو آبادی بنا لیا گیا اور ان کا استحصال کیا گیا۔ ان کو زبردستی تبدیلیٔ مذہب پہ مجبور کیا گیا۔ کہیں طاقت سے دبا کر اور کہیں پیسہ سے اُن کو بے دین بنایا گیا اور ان کے دشمنوں کے دشمنوں کے خارجی اور داخلی ہرکاروں کے ذریعہ ان کو اسلام سے دُور کرنے کی حتی الامکان سعی کی گئی۔ مُسلم دُنیا کے تقریباً ہر ملک اور ہر گوشہ میں ایسا ہی ہوا ہے۔ مسلمانوں کو جو پہلے ہی ہر لحاظ سے ناانصافی اور ظلم کا شکار تھے، نمائندگی اقوام میں مطعون و مذموم کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی۔ آج دُنیا میں اُن کو بدترین قوم سمجھا جاتا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ میں لفظ مُسلم مترادف ہے تخریب کار، جنونی، بے لگام، دہشت پسند، غیر مہذب، بنیاد پرست، جھگڑالو اور قدامت و رجعت پسند کا۔ تمام غیر مُسلموں کے نزدیک خواہ وہ ترقی یافتہ ہوں یا ترقی پذیر، سرمایہ پرست ہوں یا اشتراکی، مغربی ہوں یا مشرقی، مہذب ہوں یا جانگلو، مُسلمان ہدفِ نفرت و ملامت ہے۔ مسلمان دُنیا بھی اپنے داخلی مناقشات، تفرقہ، تشدد، تناقضات، جنگوں، اسنافی دولت، ہولناک غریبی اور قحط اور دباؤ جیسی صفات سے ہی جانی جاتی ہے، نیز ان ساری کیفیات کو عالمی امن کے لیے خطرہ بھی تصور کیا جاتا ہے۔ عموماً ہر جگہ کے لوگ مُسلم دُنیا کو دُنیا کا "فردِ بیمار" تصور کرتے ہیں اور پھر یہ ذہن کر لیتے ہیں کہ ان سارے جھگڑوں اور آلام کی جڑ دینِ اسلام ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے بیش ہے، ان کی جغرافیائی حدود وسیع تر ہیں اور دولت سے مالا مال۔ مسلمان دُنیا میں افرادی قوت، مادی قوت اور جغرافیائی و سیاسی وسائل کے معاملے میں بھی دوسروں پر بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو اسلام کی قوت اور دولت بھی حاصل ہے جو ایک فائدہ مند، عالمی اور عقلی دین ہے۔ ان سارے حقائق کے باوجود مسلمانوں کی ہزیمت اور شکست خوردگی

ایک نہایت افسوسناک حقیقت ہے اور اس کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنا اور ان کی تحقیر و تذلیل ناقابلِ برداشت حرکت ہے۔

المیہ کے اثرات سیاسی محاذ پر | اُمت آپسی تفریقات کا شکار ہو چکی ہے۔ استعماری قوتوں نے کامیابی کے ساتھ اُمتِ مسلمہ کو پچاس سے زائد ٹکڑیوں میں بانٹ دیا ہے جنہوں نے اپنی اپنی ریاستیں الگ الگ بنا رکھی ہیں۔ اور پھر ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا ہے۔ مسلم ممالک کی جغرافیائی حدود کو اس طور پر متعین کیا گیا ہے کہ ہر ریاست اپنی پڑوسی ریاستوں کے ساتھ برابر جھگڑوں میں اُلجھی رہے۔ سیاسی سازشیں ہمیشہ ایسے سرحدی جھگڑوں کو ہوا دینے میں لگی رہتی ہیں، اور دو ریاستوں کے مابین دوری اور عداوت کا وافر سامان مہیا کرتی رہتی ہیں۔ داخلی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان ریاست اندرونی انتشار کا شکار ہے۔ ہر ملک میں مختلف النسل لوگ آباد ہیں۔ استعماری قوتوں نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر حاکم بنا دیا ہے۔ یہی چیز داخلی انتشار کا بنیادی سبب ہے۔ اس بات کا موقع ہی نہیں دیا جاتا کہ ان ریاستوں کو امن نصیب ہو، تاکہ وہ اپنے شہریوں کے اتحاد کے وسائل تلاش کرنے کی کوئی کوشش کر سکیں اور ان کو بنیادِ مرصوص بنایا جا سکے۔ اور کبھی اس بات کا موقع بھی نہیں دیا کہ کوئی دو ریاستیں ایک دوسرے کے اس قدر قریب آجائیں کہ وہ ایک وحدت میں تبدیل ہو جائیں۔ صورتِ حال کو ابتر بنانے کی خاطر دشمن اغیار کو مسلم دنیا میں گھسیڑ لایا ہے تاکہ ان میں اور مقامی باشندوں میں مستقل نزاع کی کیفیت باقی رہنے کو یقینی بنایا جا سکے۔ یا اُس نے مقامی باشندوں کو مغربی عیسائیت کو بجبر داخل کر لیا ہے جس کے نتیجے میں ان کا مسلم دُنیا سے انقطاع اور بُعد یقینی ہے۔ یا اس نے غیر مسلموں کے دماغوں میں اپنے تشخص کا خبط داخل کر دیا ہے، جس کے سبب وہ مسلمانوں سے برسرِپیکار رہتے ہیں۔ ٹیپ کے بند کے طور پر دشمن نے مسلمان دُنیا کے عین قلب میں دشمن اجنبی ریاستیں قائم کر دی ہیں تاکہ مسلمانوں کو تعمیر اور امن کے اعلیٰ مقاصد سے ہٹا کر مبتلائے جنگ رکھا جا سکے۔ اور ان کی قوت اور صلاحیتوں کو ضائع جانے دیا جائے۔ یا یہ کہ ان ریاستوں کو استعماری قوتیں اپنے سیاسی، معاشی اور دفاعی اڈوں کے طور پر جب چاہیں استعمال کر سکیں۔ کوئی بھی مسلم ریاست نہ داخلی طور پر محفوظ ہے اور نہ ہی خارجی طور پر۔ ہر مسلمان ریاست اپنے وسائل کا بیشتر حصہ اپنے اندرونی اتحاد اور سرحدوں کے

دفاع پر صرف کرنے پر مجبور رہے، مگر یہ سارے انتظامات بیکار ثابت ہوتے رہتے ہیں۔

بیشتر اسلامی ملکوں میں استعماری قوتوں نے سیاسی اداروں کو تباہ کر دیا ہے۔ سوائے اُن چند ممالک کے جہاں کے سربراہ ان قوتوں کے ساتھ اشتراکِ عمل پر متفق ہو گئے ہیں۔ استعماری قوتوں نے مراجعت کے وقت اقتدار اس طبقہ کو سونپا جو پہلے ہی ان کا ذہنی غلام ہو چکا تھا۔ اور ذہنی اور عملی طور پر مکمل مغربی ہو چکا تھا۔ مگر اصل قوت فوج کے پاس تھی، جس کو اس نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے استعمال کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ اکثر و بیشتر مسلم ممالک میں فوج کا اقتدار قائم ہے جس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایسی سیاسی تنظیمات نہیں ہیں جو حکومت کے نظم کو سنبھال سکیں یا عوام کو کسی مسئلہ پر اپنا ہم خیال بنا سکیں یا ان کو تعمیری سیاسی جہت کی جانب لے جا سکیں یا کم از کم عوام کو اشتراکِ عمل پر ہی آمادہ کر سکیں۔

امیہ کے اثرات، معاشی محاذ پر | اُمت غیر ترقی یافتہ اور پس ماندہ ہے۔ ہر جگہ مسلمانوں کی اکثریت ناخواندہ ہے۔ ضروریات کی پیداوار اور خدمات کی فراہمی ضرورت سے اس قدر کم ہے کہ ان کے حصول کے لیے استعماری قوتوں پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے اور ضرورت کا سامان وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بنیادی ضروریاتِ زندگی یعنی غذا، لباس، توانائی اور اشیائے ضرورت کے معاملے میں کوئی مسلم ملک خود کفیل نہیں ہے۔ اگر کسی سبب سے استعماری قوتیں ان ممالک کے ساتھ اپنی ناجائز تجارت روک دیں تو قحط کی صورت پیدا ہونے کا امکان ہے۔ ہر جگہ استعماری ممالک اپنے یہاں پیدا شدہ اشیاء کی کھپت کی غرض سے ان ممالک میں ان اشیاء کی مصنوعی طلب پیدا کرتے ہیں جب کہ مسلمانوں کی اصل ضروریات یعنی (HARDWARES) کی فراہمی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ مسلمانوں کی ملکی پیداوار کے مقابلے میں درآمد کیا ہوا سامان زیادہ مقبول ہوتا ہے اور نتیجۃً مقامی پیداوار بازار سے غائب ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صنعت کو استعماری اشتراک سے قائم کیا جاتا ہے تو اس کا انحصار بھی ان ملکوں کے خام مال پر ہی ہوتا ہے، یا تیار شدہ جزویات وہیں سے حاصل کی سکتی ہیں۔ اس طرح صنعت کو بھی وہ اپنی مرضی کے تابع بنا لیتے ہیں اور اسے اپنے استعماری مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر حالات میں مسلم صنعتیں اصل ضروریات کو پورا کرنے والی اشیاء پیدا نہیں کرتیں، بلکہ ان مصنوعی اور غیر ضروری ضروریات کو پورا کرنے میں لگی

رہتی ہیں، جن کی طلب مغربی پروپیگنڈے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی زرعی خود کفالت کو روکنا اُن کا پہلا کام ہے، اس لیے کہ زرعی خود کفالت استعماری قوتوں کے اثر سے آزاد رہنے میں سب سے بڑی معاون اور ان کے سازشی شکنجوں کا توڑ کرنے کے لیے شاہ ضرب کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسلمان کاشتکاروں کو بہتر شہری زندگی کے بہانے، مجوزہ تعمیراتی کام یا صنعت میں عارضی ملازمت دلوانے کے بہانے اور زمینداروں اور ٹیکس وصول کرنے والے ہرکاروں کے استحصال کے ذریعہ جڑ سے اُکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ مسلمان کسان شہر جاتے ہیں۔ جہاں وہ گندی بستی میں واقع جھگی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں، درآمد کردہ ڈبوں والا کھانا کھاتے ہیں اور آقا کے حکم پر حاضر ہو جانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

تیل کی جو دولت اللہ تعالیٰ نے مسلم ممالک کو عطا فرمائی تھی، عملاً وہ نعمت ثابت نہ ہو سکی کہ جس کی اس سے توقع تھی۔ چونکہ یہ دولت کم آبادی والے ممالک میں دریافت ہوئی تھی اس لیے حکومتیں اس کو نسلی مقاصد اور ملکوں کو خوبصورت بنانے میں استعمال کرنے لگیں۔ یوں تو دولت کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ ایسے اخراجات اس کو ختم نہ کر سکیں گے، مگر جو پہلو تشویش ناک ہے وہ یہ ہے کہ یہ دولت "آسانی اور حفاظت" کے خیال سے غیر مسلم ممالک کے اقتصادی بازاروں میں ہی لگا دی جاتی ہے۔ جس کا واحد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دشمنانِ اسلام مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی بھی محتاط سرمایہ کار سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے مسلم ممالک میں سرمایہ کاری کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ نتیجتاً وہ مسلم علاقے جو زرعی اور صنعتی لحاظ سے بڑے مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں زر کی قلت کے باعث محروم رہ جاتے ہیں اور جو دولت اُمت کی خوشحالی کے امکانات کو حقیقت کا روپ دے سکتی ہے، دیارِ غیر کی جانب ہی چلی جاتی ہے۔

المیہ کے اثرات ثقافتی اور مذہبی محاذ پر مسلمانوں کے زوال پر گذرنے والی صدیوں نے ان کے درمیان جہالت، ناخواندگی اور توہم کے پھیلنے میں مدد دی ہے۔ ان خرابیوں کے باعث عام مسلمان یا تو اندھے اعتقاد کا شکار ہو گئے یا لفظ پرستی وغیرہ ان میں بے طرح در آئی، یا اُنھوں نے "شیخ" کی روحانی غلامی قبول کر لی، جس کی وجہ سے ان کی دانشورانہ قوتِ مدافعت بالکل ماند پڑ گئی اور وہ اپنے دین پر حملوں کا مسکت جواب دینے کے قابل نہ رہے۔ جب جدید دنیا نے اُن پر اثر ڈالا

تو اُن کی اپنی معاشی، سیاسی اور دفاعی کمزوریوں اور خامیوں نے اُن کو مصیبت میں مبتلا کر دیا - اس ابتلا سے گھبرا کر انہوں نے جزوی اصلاحات کرنا چاہیں اور یہ سمجھا کہ اس طرح وہ بہت جلد اپنے درخشاں ماضی کی بازیافت ممکن بنا سکیں گے - حماقت یہ ہوئی کہ مسلمانوں نے مغرب کی کامیابی سے متاثر ہو کر اور اپنے زیرک مغربی یا مغرب زدہ مشیروں کے ورغلانے میں آ کر مغرب زدگی کو اختیار کر لیا اور اسی کو وسیلۂ نجات سمجھا - استعماریت زدہ ممالک میں حکمرانوں کی شہ پر مغربیت اور مغربیت زدگی کو خوب خوب ہوا دی گئی اور اس کو عمومی بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا -

مخلص یا غیر مخلص مسلمان مغربیت پسند قائدین یہ نہ سمجھ سکے کہ ان کی حکمتِ عملی اور پالیسیاں اسلامی ثقافت اور دین کی جڑیں کھوکھلی کر دیں گی - مغرب کی پیداواریت اور قوت کے مظاہر اور خدا، انسان، زیست، فطرت، دُنیا، زبان اور تاریخ کے متعلق مغرب کے نظریات کے درمیان جو لطیف تعلق تھا وہ ان کی ظاہر بین نظروں سے مستور رہا - یا مادی ترقی کا خیال ان کے ذہنوں پر اس قدر مستولی تھا کہ وہ اس کو قصداً نظر انداز کر گئے - نتیجۃً ایک ایسا نظامِ تعلیم وجود میں لایا گیا جو مغربی اقدار اور مغربی طریقوں کی تبلیغ کرتا تھا - اس سے جو نسلیں فارغ ہو کر نکلیں وہ اسلام سے ناواقف تھیں اور اسلاف کے ورثہ سے نابلد - ان کی ناواقفیت میں اسلامی ورثہ کے محافظ علماء کے خلاف شکوک و شبہات کا بھی اضافہ ہو گیا جو قدامت پرست، لفظ پرست (LITERALIST) اور تصوف پرست ہوتے کے باوجود مخلص ضرور تھے - رفتہ رفتہ اُمت کی صفوں میں ایک شگاف نمودار ہونے لگا، جو بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچا کہ اُمت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی - ایک حصہ مغربیت پسند، بے دین شمار ہونے لگا اور دوسرا بے دینی اور مغربیت کا مخالف - استعماری قوتوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ مسندِ اقتدار پر اول الذکر طبقہ ہی قابض رہے اور پالیسی سازی کا حق اسی کو حاصل رہے -- استعماری قوتوں سے براہِ راست یا اپنے زرخرید غلاموں کے ذریعہ بالواسطہ طور پر ایسے ممالک میں ہر اسلامی شعار کو ختم کرانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی - ہر وہ چیز جس پر اسلامی ہونے کا گمان گذر سکتا تھا، قابلِ تطہیر ٹھہری، خواہ وہ متنِ قرآن ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت - آپ کی عصمت ہو یا شریعت کی کاملیت، مسلمانوں کے ماضی کے شاندار کارنامے ہوں یا تہذیب و ثقافت کے ارتقاء میں ان کا حصہ، ہر چیز کو شک و شبہ سے دیکھا گیا اور ہر چیز کی صحت کو مشکوک بنانے کی دانستہ اور بھرپور کوشش

کی گئی۔ ان ساری مذموم حرکتوں کے پیچھے مقصد ایک ہی تھا یعنی مسلمان کا اپنے آپ پر سے اعتماد اُٹھ جائے اور اُسے اپنی قوم، ایمان اور اسلام پر بھی بھروسہ نہ رہے۔ مزید یہ کہ اس کے اسلامی شعور کو سلا دیا جائے۔ اس کے اسلامی تشخص کو مضمحل کر دیا جائے اور اس طرح اس کو قعرِ مذلت میں پوری طرح دھکیل دیا جائے اور اس طرح روحانی قوت سے یکسر محروم کر دیا جائے جو دشمن قوتوں کے خلاف مدافعت کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ استعمار پسندوں اور ان کے حاشیہ برداروں نے مسلمانوں کی سو کروڑ کی نجی اور اجتماعی زندگی کو ایسے عناصر سے بھر دیا جو مغربیت کو بڑھاوا دے سکیں۔ اخبارات، کتب، جرائد ریڈیو، ٹیلی ویژن، سینما، تھیٹر، ریکارڈ اور کیسٹ، اشتہارات اور رنگ برنگے پوسٹر سبھی نے اس مقصد کی اشاعت اور حصول کے لیے اپنے کو وقف کر دیا۔ مسلمان حکومتیں بہ طرزِ جدید وسیع و عریض شاہراہیں تعمیر کروانے میں تو فخر محسوس کرنے لگیں جن کے اطراف میں مغربی طرز کی سرکاری عمارتیں و دفاتر اور خوبصورت باغیچے بنے ہوں، مگر شہروں کے اطراف و مضافات میں بکھری ہوئی گندی بستیوں اور جھگی جھونپڑیوں والی آبادی کے بارے میں ان کو کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی۔ مغربیت زدہ عوام کثرت سے پبلک ہالوں میں فلم، ڈرامہ یا موسیقی کے پروگراموں سے لطف اندوز ہونے لگے اور ان کے بچے انہی چیزوں کے بارے میں جرائد و کتب میں اور عیسائی تبلیغی اسکولوں میں پڑھنے لگے اور اس بات سے بالکل بے خبر ہے کہ وہ جو کچھ سوچتے اور کرتے ہیں ان کے دین و عقائد سے ٹکراتا ہے۔ جو مکمل طور پر مغربیت پرست ہو گئے انہوں نے مسلم ماحول اور اس کے پس منظر کی کھلی مخالفت شروع کر دی۔ انہوں نے اسلامی ثقافت اور اسلامی طرزِ حیات کی داخلی وحدت کو اپنی شخصیت، فکر اور عمل کے پتھر سے پاش پاش کر دیا اور ان کے خاندانوں نے بھی انہی کی پیروی کی۔ مغربی سماجی رسوم کو نہایت ہی گستاخانہ طریقہ پر عام کیا گیا۔ بجائے اس کے مسلمان قومیں خود کو پستی سے نکال کر معروفات کی ان بلندیوں اور ان معاشرتی رفعتوں کی طلبگار ہوتیں جس کی تاکید اسلام نے کی ہے، انہوں نے زوال آمادہ مغربی تہذیب کے ظواہر کی بھونڈی نقالی شروع کر دی جس میں مرحلہ وار عریانیت اور بے راہ روی، انفرادی بے راہ روی کی غرض سے معاشی عدم انحصار، ہر فرد کی خود غرضانہ جستجو اور خاندانی فرائض سے پہلو تہی سبھی شامل ہیں۔ ہمارے شہروں میں اسلامی طرزِ تعمیر مفقود ہے اور شہر کی اسلامی طرز غیر موجود۔ ہمارا ہر شہری مرکز ہر اس غلطی اور خامی کو آنکھ بند کر کے اس

(باقی برصفحہ ۵۵)

اِسلامی ریاست میں عورت کی سربراہی

محترم جسٹس ملک غلام علی صاحب

روزنامہ "امروز" لاہور ۹ دسمبر ۱۹۸۸ء کے شمارے میں پروفیسر رفیع اللہ شہاب صاحب کا ایک مضمون چھپا ہے جس کا عنوان ہے: "اسلامی تعلیمات کو بازیچۂ اطفال نہ بنائیے"۔ اس مضمون میں بخاری شریف کی ایک حدیث کو نشانۂ تنقید و تکذیب بنایا گیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنی حکمرانی عورت کے سپرد کر دے"۔ روزنامہ پاکستان ٹائمز، لاہور مورخہ ۱۶ دسمبر میں اسی موضوع پر ایک مضمون طاہرہ مریم صاحبہ کے نام سے شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے: "ایک اسلامی ریاست میں عورت بحیثیت وزیر اعظم"۔ اِن ہر دو مضامین کے مندرجات اس حیرت انگیز حد تک یکساں ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کا ترجمہ یا چربہ معلوم ہوتے ہیں۔ پروفیسر رفیع اللہ صاحب نے آج کل پرویز صاحب کے جانشین بن کر انکارِ حدیث کی قلمی مہم چلا رکھی ہے۔

یہ دونوں مقالے مغالطہ آمیزی کا مرقع بلکہ جہالت کا شاہکار ہیں اور ان میں حدیث صحیح کو جس طرح جعلی اور موضوع قرار دینے کی ناکام کوشش کی گئی ہے وہ ہر لحاظ سے لائق مذمت ہے۔ یہاں میں امروز میں شائع شدہ مضمون کے ضروری حصے نقل کر کے حقیقتِ حال واضح کرتا ہوں۔ رفیع اللہ صاحب نے صحیح بخاری کتاب الفتن کے حوالے سے درج ذیل حدیث نقل کی ہے:

عثمان بن الہیثم نے عوف سے، انہوں نے الحسن سے اور انہوں نے ابوبکرہؓ سے روایت

بیان کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنا لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا: " وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنے کاموں کو عورت کے سپرد کر دیں گے"۔ مقالہ نگار اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: اس حدیث کا متن قرآن مجید کے اس واقعہ کے خلاف ہے جس میں ملکہ سبا کا ذکر ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ عورت اعلیٰ درجے کی حکمران تھی اور اس کی حکمرانی کے نتیجے میں ملک بڑا خوش حال تھا۔ (سورۃ النمل۔۲۳)

شہاب صاحب نے یہاں قرآن کی من مانی ترجمانی کی ہے۔ قرآن مجید میں کہیں نہیں فرمایا گیا کہ ملکہ سبا اعلیٰ درجے کی حکمران تھی اور اس کی حکمرانی کے نتیجے میں ملک بڑا خوش حال تھا۔ قرآن مجید میں ہُد ہُد کا فقط یہ قول نقل ہوا ہے کہ " میں نے قوم سبا پر ایک عورت کو حکمران پایا۔ اس عورت کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا ایک عظیم تخت ہے۔ میں نے اس عورت کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ اور اس کی قوم سورج کے سامنے سجدہ کرتی ہے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے خوشنما بنا دیا ہے۔ اور سیدھی راہ سے روک دیا ہے، پس وہ ہدایت نہیں پاتے" کیا مجرد یہ شان و شوکت اور سورج پرستی اعلیٰ درجے کی حکمرانی و عقلمندی ہے جس کا ثبوت قرآن مجید سے فراہم کیا جا رہا ہے؟ کیا اعلیٰ درجے کے حکمران وہی ہوتے ہیں جن کے اعمال کو شیطان مزین بنا دے۔

پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ ایک طرف بخاری شریف کی حدیث صحیح تو شہاب صاحب خلافِ قرآن قرار دے کر رَد کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف تفسیری حوالوں سے یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ" اس عورت نے ایک قومی اسمبلی قائم کر رکھی تھی جس کے ارکان کی تعداد تین سو بارہ (۳۱۲) تھی۔ لیکن قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام ارا کین سے زیادہ لائق اور ذہین تھی"۔ گویا کہ یہ ساری خارج از حدیث اور غیر ثابت شدہ باتیں خلافِ قرآن نہیں بلکہ بیانِ قرآن ہیں، مگر حدیث بخاری وضعی اور خلافِ قرآن ہے! دلم بسوخت زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست؟

قرآن دانی و قرآن فہمی کے اس مظاہرے کے بعد پروفیسر صاحب حدیثِ مذکور پر طبع آزمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس حدیث کا متن ہی نہ صرف قرآن مجید کے خلاف ہے بلکہ ائمہ حدیث کے نزدیک اس

حدیث کے چاروں راوی غیر ثقہ تھے۔"

رفیع اللہ صاحب نے راویوں کے بارے میں جو گل نشانی کی ہے اس کا تفصیلی جواب دینے سے پہلے انہیں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بخاری شریف کو پوری اُمت نے قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ اپنی کتاب کے متن میں پوری سند کے ساتھ جس حدیث کی تخریج فرما دیتے ہیں، اُس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا اور جس راوی کا نام بخاری کی اسناد میں شامل ہو جاتا ہے، اس کے متعلق محدثین کا قول مشہور ہے کہ قَدْ جاز القنطرہ (اس راوی نے پل پار کر لیا)، دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری نے جس راوی کو اپنی سند میں شامل کر لیا ہے، اس کے بارے میں کوئی جرح قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اور اس کی ثقاہت مسلّم ہوگی۔ امام بخاری اس حدیث کو صرف کتاب الفتن میں نہیں لائے بلکہ اس سے پہلے کتاب المغازی میں بھی وہ اس حدیث کو اسی سند و متن کے ساتھ لا چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسریٰ)

بخاری شریف میں جو احادیث پوری سند کے ساتھ مروی ہیں، ان کی صحت کے بارے میں پوری اُمت مسلمہ کا اجماع ہے۔ امام بخاری نے خود فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب میں انہی احادیث کی تخریج کی ہے، جو ہر لحاظ سے صحیح ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف کے بعد امام بخاری نے اس کتاب کو اپنے زمانے کے نامور ترین محدثین مثلاً امام علی بن المدینی، یحییٰ بن مَعین، امام احمد بن حنبل کے سامنے پیش کیا، اور سب نے اس کے صحیح ہونے کی شہادت دی۔ امام ابن خزیمہ نے فرمایا ہے کہ اس آسمان کے نیچے حدیثِ رسول کا کوئی عالم و ناقد امام بخاری سے بڑھ کر نہیں پایا گیا اسی مفہوم کا قول امام ترمذی سے بھی مروی ہے۔ امام مسلم نے امام بخاری کو سیّد المحدثین کہہ کر خطاب کیا اور ان کے قدم چومنے چاہے۔

پھر یہ حدیث صحیح دوسری کتب حدیث میں بھی موجود ہے، اگرچہ اس کا صرف بخاری میں آجانا اس کی صحت کے لیے کافی تھا۔

سنن ترمذی، کتاب الفتن میں یہ اس سند کے ساتھ مروی ہے:

حدثنا محمد بن المثنیٰ حدثنا خالد بن الحارث - حدثنا حمید الطویل

عن الحسن عن ابی بکرۃ قال عصمنی اللہ بشیٔ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ھلک کسریٰ قال من استخلفوا قالوا بنتہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃً (بیان کیا ہم سے محمد بن المثنیٰ نے، ان سے بیان کیا خالد بن حارث نے، ان سے بیان کیا حمید الطویل نے، ان سے بیان کیا حسن بصری نے، ان سے بیان کیا حضرت ابوبکرہؓ نے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے بچا لیا اللہ تعالیٰ نے ایک بات کے ذریعے سے جو میں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی کہ جب فارس کا بادشاہ کسریٰ ہلاک ہوا تو آنحضورؐ نے پوچھا کہ اس کا جانشین کسے بنایا گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا اس کی بیٹی کو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جنہوں نے ایک عورت کو اپنا حکمران بنا لیا) (اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں: ھذا حدیث حسن صحیح (یہ حدیث حسن صحیح ہے)

سنن نسائی، کتاب آداب القضاء میں بھی یہ حدیث بعینہٖ اسی سند اور اسی متن کے ساتھ مروی ہے جس طرح سنن ترمذی میں ہے اور جسے ابھی نقل کیا جا چکا ہے۔ امام عبدالرحمٰن النسائی نے اس حدیث کا عنوان دیا ہے: النھی عن استعمال النساء فی الحکم (حکمرانی میں عورتوں کے تقرر کی ممانعت) اور اس باب کے تحت محمد بن المثنیٰ نے خالد بن حارث سے، انہوں نے حُمید سے، انہوں نے حضرت حسن سے اور انہوں نے حضرت ابوبکرہ سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی حدیث نقل کی ہے کہ کسریٰ کے مرنے پر جب اس کی بیٹی کو جانشین بنایا گیا تو آنحضورؐ نے فرمایا: لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃً۔

اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ سنن ترمذی و سنن نسائی کے ابتداء میں تین راوی صحیح بخاری کی سند سے مختلف ہیں مگر ان میں سے ہر ایک ثقہ ہے جس طرح کہ بخاری کے راوی ثقہ ہیں۔ آخر کے دو راوی حضرت حسن اور حضرت ابوبکرہ ان تینوں احادیث میں مشترک ہیں۔ بحث کو ضروری حد تک مختصر رکھنے کے لئے میں پہلے ان دو اصحاب پر شہاب صاحب کی تنقید نقل کرتا ہوں، پھر اس کا جواب دوں گا۔ حضرت حسن کے

بارے میں شہاب صاحب لکھتے ہیں :

" اس نام کے ۱۵۹ راوی تھے جن کی اکثریت غیر ثقہ تھی۔ (میزان الاعتدال صفحہ ۴۸۰ تا ۵۲۸) اس روایت میں جان بوجھ کر راوی کے والد کا نام نہیں دیا گیا جو ان کے غیر ثقہ ہونے پہ دلالت کرتا ہے۔ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ وہ بصرہ کے رہنے والے ہیں جن کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ ایک مجہول راوی تھا (میزان الاعتدال ص۵۰۶)"

شہاب صاحب کی عقلمندی و دانشمندی یہاں لائق ملاحظہ ہے۔ سند میں ایک راوی کا نام حسن دیکھ کر انہوں نے نقدِ رجال کی کتاب " میزان الاعتدال " کھول لی اور اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے جہاں حسن کا نام شروع ہوتا تھا وہاں سے اس نام کے راویوں کی تعداد گننے لگے۔ معلوم ہوا کہ اس نام کے راوی ۱۵۹ تھے۔ جن کی اکثریت شہاب صاحب کو غیر ثقہ نظر آئی۔ شہاب صاحب نے صحیح گنتی نہیں بتائی کہ کتنے حسن نامی راوی ثقہ اور کتنے غیر ثقہ تھے۔ بہرکیف پھر وہ لکھتے ہیں کہ " اس روایت میں جان بوجھ کر راوی کے والد کا نام نہیں دیا گیا جو ان کے غیر ثقہ ہونے پہ دلالت کرتا ہے "۔

شہاب صاحب کی یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے وہ اگر ان کتب حدیث کی شروح میں سے کسی مستند شرح کو دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ راوی امام حسن بصری ہیں جو مشہور و معروف تابعی ہیں۔ متعدد صحابہ کرام سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ ان کے والد کا نام یسار ہے۔ یہی کتاب " میزان الاعتدال " جس میں حسن نام کے ایک سو انسٹھ راویوں کے حالات شہاب صاحب نے پڑھے ہیں اس میں صفحہ ۵۲۷ پہ الحسن بن یسار کا نام درج کر کے امام ذہبی ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

سید التابعین فی زمانہ بالبصرۃ کان ثقۃ فی نفسہ حجۃ رأساً فی العلم والعمل۔

(حضرت حسن بصری اپنے زمانے میں تابعین بصرہ کے سردار تھے۔ اپنی جگہ ثقہ، مستند اور علم و عمل میں سرخیل تھے)۔

اتنے بڑے عظیم الشان جلیل القدر امام کے بارے میں رفیع اللہ صاحب کبھی کہتے ہیں

کہ روایت میں ان کے والد کا نام جان بوجھ کر حذف کیا گیا ہے کیونکہ وہ غیر ثقہ تھے کبھی لیتے ہیں کہ وہ بصرہ کے رہنے والے تھے جن کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ ایک مجہول راوی تھا اور اس بچگانہ قول کے لئے "میزان الاعتدال" جلد اوّل ص ۵۰۶ کا حوالہ دیتے ہیں جس میں ایک دوسرے راوی الحسن بن علی الہذلی بصری کے بارے میں امام ذہبی نے "مجہول" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت حسن بصری کو مجہول تو وہی شخص کہہ سکتا ہے جو خود جاہل مجہول ہو۔ امام ولی الدین خطیب، صاحبِ مشکوٰۃ اپنی تصنیف "الاکمال فی اسماء الرجال" میں فرماتے ہیں:

الحسن البصری روی عن الصحابہ مثل ابی موسیٰ و انس بن مالک و ابن عباس وغیرھم وعنہ خلق کثیر من التابعین وتابعھم وھو امام وقتہ فی کل فن وعلم وزھد وورع وعبادتہ

(حسن بصری نے صحابہ کرام مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرام سے روایت حدیث کی ہے اور امام حسن سے تابعین اور تبع تابعین کی کثیر تعداد نے حدیث روایت کی ہے۔ حسن بصریؒ اپنے وقت میں جملہ علوم و فنون، زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری میں اپنے وقت کے امام تھے)

حضرت حسن بصری کے بعد حضرت ابوبکرہؓ کے بارے میں رفیع اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"آپ اگرچہ صحابی تھے لیکن آپ کو حضرت عمرؓ نے مختلف جرائم کے ارتکاب پر کوڑوں کی سزا دی تھی اور ان کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے"۔

شہاب صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں اُمّتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ ان کے بعض افعال اگرچہ محلِ نظر یا موجب گرفت ہو سکتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ سب کے سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے میں عدول اور راستباز ہیں اور حاشا و کلّا کسی صحابی رسول کے بارے میں تصور یا شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ آنحضورؐ کی طرف منسوب کر کے کوئی غلط خلاف واقعہ بات بیان کریں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ کتبِ رجال میں اوّلاً تو صحابہ کرام کا ذکر نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو خدانخواستہ ان حضرات کی جرح و تعدیل پر بحث کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ کسی شخصیت کے صحابہ یا

تابعی ہونے کے اشتباہ و اختلاف کو رفع کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً "لسان المیزان" جس کے حوالے شہاب صاحب دے رہے ہیں۔ اس کی جلد اوّل کے مقدمے میں امام ذہبی فرماتے ہیں:

ما کان فی کتاب البخاری من الصحابة فانی اسقطھم لجلالة الصحابة ولا اذکرھم فی ھذا المصنف۔

(بخاری شریف اور دوسری کتابوں میں جن صحابہ کرام کا سند میں نام آتا ہے، میں نے ان کے اسمائے گرامی کو حذف کر دیا ہے اور یہ ان کی جلالتِ قدر کے باعث ہے)۔

اسی طرح "تہذیب التہذیب" میں بعض صحابہ کرام کے درج ہونے کی وجہ مصنف نے پہلی جلد ص ۲ پر خطبہ کتاب میں واضح کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض صحابی کسی دوسرے صحابی سے بھی روایت حدیث کرتے ہیں اور ناواقف حضرات ان دونوں صحابیوں میں سے ایک کو تابعی سمجھ لیتے ہیں۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے بعض صحابہ کرام، مثلاً حضرت ابوبکرہؓ کا نام رجال کی کتابوں میں درج کر دیا جاتا ہے، حالانکہ حضرت ابوبکرہؓ بالاتفاق صحابیٔ رسولؐ ہیں اور ان کا اصل نام نُفَیع ہے جن کا صحیح تلفظ بھی شہاب صاحب اور طاہرہ مریم صاحبہ کو معلوم نہیں۔ انگریزی میں انہوں نے حضرت ابوبکرہؓ کا نام پہلے نَفَع (NAFA) لکھا ہے۔ پھر آگے چل کر نُقَیع (NAQIH) لکھ دیا ہے۔ کتنی بڑی جسارت ہے کہ جو لوگ صحابہ کرام کا صحیح نام تک ادا نہیں کر سکتے، وہ صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث کے بارے میں لب گستاخی کرتے ہیں اور ان کی احادیث کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو تیس سے زائد صحیح احادیث روایت کی ہیں جو مسندِ احمد اور دیگر کتب صحاح میں مروی ہیں۔ علامہ ابن اثیر ان کے اسم گرامی نفیع کے تحت فرماتے ہیں: ابوبکرۃ کان من فضلاء الصحابة وصالحیھم (حضرت ابوبکرہؓ صحابہ کرام کے فاضل و صالح اصحاب میں سے تھے) (اسد الغابہ، جلد ۵)۔ پھر اسی جلد میں آگے ابوبکرہ کے تحت لکھتے ہیں: اسمه نفیع بن الحارث کان من فضلاء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وصالحیھم (ابوبکرہ کا نام نُفیع بن حارث ہے۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فاضل و صالح صحابہ میں سے تھے)۔ اتنے عظیم اور جلیل القدر صحابی کی روایت کردہ حدیث کو جھٹلانے کے لئے رفیع اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مختلف جرائم کے ارتکاب پر

حضرت ابوبکرہؓ کو کوڑوں کی سزا دی تھی۔ حقیقت جو کچھ ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے الزامِ زنا کا ایک مقدمہ پیش ہوا تھا جس میں چار مرد گواہوں کی عینی شہادت لازم تھی۔ تین گواہ جن میں ایک حضرت ابوبکرہؓ بھی تھے، انہوں نے عین فعلِ زنا کی چشم دید شہادت دی، مگر چوتھے گواہ نے شہادت ایسے واضح اور قطعی طریق پر نہ دی جس سے فعلِ زنا کا ثبوت مل سکے۔ چار گواہوں کا شہادت کا نصاب چونکہ پورا نہ ہو سکا، اس لیے حضرت عمرؓ نے پہلے تین گواہوں کو کوڑوں کی سزا دی، جن میں ایک حضرت ابوبکرہ بھی تھے۔ شہاب صاحب نے محض اس ایک واقعہ کو مختلف جرائم کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ صحابہ کرام سے بلاشبہ بتقاضائے بشریت بعض قابلِ مواخذہ افعال کا صدور ہوا ہے اور ان پر حدود و تعزیر کا اجرا بھی ہوا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا کہ کسی صحابی سے روایتِ حدیث میں غلط بیانی صادر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اسد الغابہ میں کوڑوں کی حد حضرت ابوبکرہؓ پر جاری ہونے کا پورا واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔ اور اس کے بعد دوبارہ حضرت حسن بصری کا قول منقول ہے:

لم ینزل البصرۃ من الصحابۃ افضل من عمران بن حصین و ابی بکرہ

(صحابہ کرام جو بصرہ میں آکر نزیل و مکین ہوئے ان میں حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوبکرہ سے کوئی افضل نہ تھا۔)

حضرت ابوبکرہؓ کی جو حدیث یہاں زیرِ بحث ہے، یہ مذکورہ بالا کتبِ حدیث کے علاوہ مسندِ احمد میں بھی متعدد دیگر اسناد سے مروی ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حدثنا یحییٰ عن عُیینہ حدثنی ابی عن ابی بکرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ۔

(مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۳۸)

(یحییٰ بن سعید عُیینہ سے، وہ اپنے والد سے، وہ حضرت ابوبکرہؓ سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، روایت کرتے ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جو اپنی حکومت عورت کے سپرد کر دے)

۲۔ حدثنا اسود بن عامر حدثنا حماد بن سلمۃ عن حُمید عن الحسن عن ابی بکرۃ ان رجلاً من اھل فارس اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ربی تبارک و تعالیٰ قد قتل ربک یعنی کسریٰ

قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ استخلف ابنتہ فقال: لا یفلح قوم تملکھم امرأۃ (مسند احمد - جلد ۵ - ص --)

(اسود بن عامر حماد بن سلمہ سے، وہ حُمید سے، وہ حضرت حسن بصری سے، وہ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اہلِ فارس میں سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: میرے رب تبارک وتعالیٰ نے تمہارے رب یعنی کسریٰ کو ہلاک کر دیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کسریٰ کی بیٹی کو اس کا جانشین بنایا گیا ہے، آنحضورؐ نے فرمایا: وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس پر ایک عورت حکمران ہو۔

۳ — حدثنا یزید بن ھارون حدثنا مبارک بن فضالہ عن الحسن عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یفلح قوم تملکھم امرأۃ۔

(یزید بن ہارون مبارک بن فضالہ سے، وہ حضرت حسن بصری سے، وہ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس پر ایک عورت حکمران ہو)۔ (مسند احمد، جلد ۵، ص ۴۷)

۴ — حدثنا احمد بن عبد الملک الحرانی حدثنا بکار بن عبد العزیز ابن ابی بکرۃ قال سمعت ابی یحدث عن ابی بکرۃ انہ شھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ بشیر یبشرہ بظفر جند لہ۔ ثم انشأ یسأل البشیر فاخبرہ انہ ولی امرھم امرأۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الآن ھلکت الرجال اذا اطاعت النساء ثلاثاً (مسند احمد - جلد ۵ - ص ۴۵)

(احمد بن عبد الملک الحرانی، بکار بن عبد العزیز بن ابی بکرہ سے، وہ اپنے والد عبد العزیز سے، وہ اپنے والد ابوبکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک خوشخبری دینے والا آیا اور اس نے دشمن سے لشکر کی فتح یابی کی خوشخبری سنائی، پھر یہ بھی بتایا کہ ان لوگوں (فارس والوں) نے عورت کو حکمران بنا دیا ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا: تب مرد ہلاکت میں مبتلا ہوگئے، جب انہوں نے عورتوں کی اطاعت و محکومی قبول کر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنا یہ ارشاد دہرایا)۔

درج بالا بحث سے یہ امر ثابت اور واضح ہو گیا کہ عورت کی سربراہی کی ممانعت و مذمت میں ایک یا دو حدیث نہیں بلکہ متعدد اسناد سے احادیث صحیحہ مختلف صحاح میں مروی ہیں جن میں شک وشبہ یا ضعف کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، ان کی صحت پوری طرح ثابت ہے اور ان کا متن اور مضمون نصوص قرآنیہ اور دیگر احادیث صحیحہ کے عین مطابق ہے۔ قرآن مجید (سورۂ نور - ۳۱) میں فرمایا گیا:
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ..... "مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"..... یہ صریح حکم ربانی ہے جس کی اطاعت ہر مومن عورت پر فرض ہے۔ جو عورت اپنے گھر میں سکون و وقار سے بیٹھتی ہے اور کسی ناگزیر ضرورت ہی کے تحت باہر نکلتی ہے وہ تو نگاہ کو نیچا رکھتے ہوئے ضروری مشاغل سے فارغ ہو کر واپس آسکتی ہے، لیکن جو عورت ایوان حکومت تک جا پہنچی ہے اس کی نگاہیں نیچی کیسے رہ سکتی ہیں؟ - اس کی چشم وابرو تو ہر لحظہ، ہر لمحہ غیر محرم اور اجنبی مردوں کی نظروں سے دوچار ہوں گی۔ رات دن حکمران عورت اجتماعات میں شریک ہوگی۔ تقریبات، اجلاس میں کرسی صدارت پر بیٹھے گی، خلوت وجلوت میں مشغول گفتگو ہوگی، نہ صرف حدود مملکت کے گوشے گوشے تک عوام وخواص سے رُو در رُو خطابات وملاقات کا اہتمام کرے گی۔ بلکہ بیرونی غیر ملکی دوروں پر جا کر اغیار واجانب سے بھی بات چیت میں حصہ لے گی اور معاملات طے کرے گی۔ اس صورت میں بلاشبہ قرآنی احکام کی کھلم کھلا اور پے در پے خلاف ورزی ہوگی اور اس کا گناہ اور وبال جس طرح عورت کے سر ہوگا، اسی طرح ان پر بھی ہوگا جنہوں نے عورت کو اس مقام تک پہنچایا ہے اور جو اس صورت حال کو حق بجانب قرار دینے کی جرأت کر رہے ہیں!

کتاب وسنت کی تعلیمات سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ عورت کا دائرہ کار اس کا گھر ہے جہاں وہ امور خانگی و افراد خانہ کی نگرانی کرے گی، مرد گھر کا قوام ہوگا اور گھر سے باہر خارجی معاملات کا نگران ذمہ دار ہوگا۔ جو معاشرہ فطرت اسلام کی اس ترتیب کو بدلے گا یا الٹائے گا وہ یقیناً ناکامی ورسوائی سے دوچار ہوگا فلاح سے ہمکنار نہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں صحیح سند کے ساتھ وارد ہے کہ "خبردار تم میں سے ہر شخص چرواہا اور نگہبان ہے اور اپنے گلّے کے بارے میں مسئول ہے، امام اپنی

رعیت کے بارے میں مسئول ہے۔ گھر والا اپنے گھر کے افراد کا ذمہ دار ہے۔ پھر فرمایا: والمراۃ راعیۃ علی اھل بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم (اور عورت اپنے خاوند کے گھر والوں کے معاملے میں جوابدہ ہے اور اس سے اس بارے میں سوال ہوگا)۔ اب جو عورت امورِ خانہ داری سے تجاوز کرکے امورِ سلطنت میں دخیل ہوتی ہے، حتیٰ کہ حکومت کی سربراہی کے لیئے خواہاں و کوشاں ہوتی ہے، مسندِ حکومت پر براجمان ہوتی ہے، وہ فعل ممنوع کا ارتکاب کرتی ہے۔

حضرت ابوبکرہؓ والی حدیث میں چونکہ حضرت عائشہؓ اور جنگِ جمل کا ذکر آگیا ہے، اس لیئے بعض لوگ جن میں شہاب صاحب بھی شامل ہیں، حدیث کے مضمون اور حضرت عائشہؓ کی شرکتِ جنگ کو باہم ٹکراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کے لیئے وضع کی گئی ہے ورنہ حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کی عملی مخالفت کیسے متصور ہوسکتی ہے؟۔ یہ بھی خواہ مخواہ کی مغالطہ انگیزی ہے۔ صحیح اور واقعی صورتِ حال یہ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ امارت و خلافت یا حکومت کی سربراہی کی طلبگار تھیں یا صحابہ کرام ایسا منصب حضرت عائشہؓ کو تفویض یا سپرد کرنا چاہتے تھے۔ اگر اسلام میں عورت کی سربراہی جائز ہوتی اور کتاب و سنت کی تعلیمات میں اس کی مذمت و ممانعت وارد نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت وصال کے موقع پر سقیفۂ بنی ساعدہ میں جس طرح مرد صحابہ کرام کے اسمائے گرامی خلافت کے لیئے پیش کیئے گئے اور زیرِ بحث آئے تھے۔ حضرت عائشہؓ حضرت امِ سلمہؓ یا ازواجِ مطہرات میں کسی دوسری زوجہ محترمہ یا حضرت فاطمہؓ یا کسی دوسری صحابیہ کا نام سامنے آسکتا تھا۔ یا پھر خلفائے راشدین کے انتخاب اور جانشینی کے مواقع پر کسی صحابیہ، تابعیہ کا نام تجویز ہوسکتا تھا۔ ان تمام مواقع پر صنفِ اناث میں سے کسی خاتون کا نام زیرِ غور نہ آنا اس امر کا قطعی اور وافر ثبوت ہے کہ عورت سربراہ ریاست و حکومت نہیں ہوسکتی اور اس پر اجماعِ امت ہے۔

جہاں تک جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شرکت و قیادت کا تعلق ہے، اس کی حقیقت مختصراً یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ کی بیعت ہوئی تو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ان سے قاتلینِ عثمانؓ کا قصاص لینے کا مطالبہ کیا، اس مطالبے کی تائید حضرت عائشہؓ نے بھی کی اور ان اصحاب کے مطالبے پر ان کے ساتھ بصرے سے فوجی امداد لینے روانہ

ہو گئیں۔ حضرت علیؓ بھی اپنی فوج کے ساتھ بصرے پہنچ گئے۔ فریقین میں گفت و شنید کے بجائے دونوں کمپوں کے بعض فتنہ جو عناصر نے اچانک لڑائی چھیڑ دی۔ اس میں اگرچہ حضرت علیؓ کی فتح ہوئی لیکن دونوں جانب اہلِ اسلام کا خون بہا اور نہایت قیمتی نفوس کا ضیاع ہوا۔ دونوں طرف دس ہزار مسلمان شہید اور ہزار ہا زخمی ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کو عمر بھر اس جنگ میں شریک ہونے کا صدمہ اور افسوس رہا اور جب وہ آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ۔۔ (اپنے گھروں میں قرار و وقار کے ساتھ بیٹھی رہو۔۔۔) پڑھتی تھیں تو آپ کا دوپٹہ اشکوں سے تر ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کسی لشکر کی قائد بن کر مکہ معظمہ سے روانہ نہیں ہوئی تھیں لیکن چند صحابہ کرام کے ہمراہ جب آپ بصرے پہنچ گئیں تو قدرتی بات تھی کہ مطالبۂ قصاص کرنے والوں نے زمامِ کار آپ کے سپرد کر دی۔ آپ ایک اونٹ پر سوار تھیں اور ہودج (کجاوے) میں پورے ستر و حجاب کے حدود ملحوظ رکھتے ہوئے تشریف فرما تھیں لڑائی ختم ہونے تک آپ اسی حالت میں رہیں اور خاتمہ جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے آپ کو اپنے بھائی حضرت محمدؓ بن ابی بکر اور دیگر قابلِ اعتماد اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت عائشہؓ نے خود بھی محسوس فرما لیا تھا کہ جنگ جمل میں ان کی شمولیت صحیح اور مفید نہ تھی اور جب تک آپ کی زندگی رہی، آپ جنگ صفین اور قتال و جدال کے دوسرے مواقع سے بالکل الگ تھلگ رہیں۔

حضرت ابوبکرہؓ کی روایت کردہ حدیث نبوی کا تعلق بظاہر اس مسئلے سے نہیں ہے کہ خواتین جہاد و قتال میں حصہ لے سکتی اور قیادت کر سکتی ہیں یا نہیں بلکہ حدیث میں فرمان نبوت یہ ہے کہ عورتوں کی حکمرانی و سربراہی موجب فلاح نہیں ہو سکتی۔ تاہم حضرت ابوبکرہؓ نے اس ارشاد سے یہ جزئیہ بھی مستنبط کیا ہے اور ان کا یہ استنباط بالکل بجا اور صحیح ہے کہ کسی خاتون کا سربراہ حکومت بننا اور بنانا جس طرح مطلوب و پسندیدہ نہیں، اسی طرح قتال میں بھی عملاً ان کی شرکت و قیادت جائز نہیں، اس لیے حضرت ابوبکرہؓ نے جنگ جمل سے علیحدگی اختیار کر لی۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ جو حضرت عائشہؓ کو اپنے ساتھ لائے تھے، ان کے بارے میں بھی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے ان دونوں اصحاب کو بلا کر تنہائی میں بات کی تو یہ دونوں بھی اگلی صفوں سے ہٹ گئے حضرت زبیرؓ کو ایک ظالم فتنہ پرواز نے اکیلے پا کر شہید کر دیا۔ اسی طرح حضرت طلحہؓ بھی شہید کر دیئے گئے۔

عہدِ نبوی ؐ، خلافت راشدہ اور اس کے بعد بھی پوری امت کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کسی عورت کو خلیفہ، امیر، کسی علاقے یا صوبے کا عامل، گورنر یا سفیر یا سپہ سالار بنایا گیا ہو۔ زوال و انحطاط اور دور محکومی کی کوئی مثال اگر ملتی بھی ہے تو وہ ناقابل ذکر و استناد ہے اور اس سے نبی ؐ کا بیان فرمودہ یہ حکم ارشاد معاذ اللہ غلط یا باطل نہیں ہوسکتا کہ عورت کی سربراہی کسی قوم کے لئے موجب فلاح نہیں ہے۔ پاکستان کے مسلمان اس نہایت کڑی اور سنگین آزمائش سے دوچار ہیں کہ وہ اپنی غلطی کا احساس اور اس کی اصلاح کرتے ہیں یا اپنی غلطی پہ اصرار کرتے ہوئے اپنی دینوی و اخروی فلاح کو خیرباد کہتے ہیں۔

میرے مضمون کی اشاعت سے قبل ہفت روزہ " الاعتصام" میں رفیع اللہ صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے مضامین کی مفصل تردید آچکی ہے اور "الاعتصام" کی ایک اشاعت خصوصی بھی طبع ہو چکی ہے لیکن ان صاحب کی ضد اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ پاکستان ٹائمز مؤرخہ ۹ فروری ۱۹۸۹ء میں ان کا پھر ایک مضمون "اسلامی ریاست میں عورت کے جج ہونے کی حیثیت" چھپا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ علامہ الماوردی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں مسلمان حاکم اور مسلمان قاضی کی جو شرائط وصفات بیان کی ہیں ان میں مرد ہونا کہیں مذکور نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ الماوردی کی کتاب کا اردو ترجمہ جو سید محمد ابراہیم نے کیا ہے اور عبدالمالک عرفانی صاحب کا نظر ثانی شدہ قانونی کتب خانہ لاہور نے چھاپا ہے۔ اس کے باب ۶ "قاضی کا تقرر" صہ ۱۱۷ کی عبارت کا آغاز ہی یوں ہوتا ہے:

" عہدہ قضاء پہ اس شخص کا تقرر جائز ہے جس میں اس کی تمام شرائط موجود ہوں تاکہ اس کو قاضی بنانا اور اس کا احکام نافذ کرنا صحیح ہو۔ وہ شرطیں سات ہیں۔

پہلی یہ کہ مرد ہو اور اس میں دو صفتیں ملحوظ ہیں، بالغ ہونا اور مذکر ہونا اس لئے کہ نابالغ پہ کوئی حکم واجب نہیں ہوسکتا اور نہ وہ اپنے قول سے کوئی حکم اپنے اوپہ واجب کرسکتا ہے چہ جائیکہ کسی دوسرے پہ حکم کا نفاذ کرسکے اور عورتوں کا مرتبہ حکومت کے مراتب سے کم ہے اگرچہ بعض احکام ان کے قول سے بھی متعلق ہیں۔ ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں جن امور میں ان کی شہادت درست ہے قضاء بھی درست ہے اور جن میں شہادت درست نہیں قضاء بھی درست نہیں۔

ابن جریر اس مسئلہ میں بالکل منفرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ تمام احکام میں عورت کی قضاء جائز ہے مگر اجماع امت اور آیت قرآن کے ہوتے ہوئے ان کا قول ناقابل اعتبار ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:
اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی) یعنی عقل و دانائی میں، لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا کہ عورتیں مردوں کی حاکم بنیں۔"

اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ شہاب صاحب الماوردی کی جانب جو موقف منسوب کر رہے ہیں وہ ایک ناروا اتہام ہے جو امام الماوردی کے سر تھوپا جا رہا ہے۔

اب میں قرآن مجید کے فرمان پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ۳۶)

(کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے کا فیصلہ فرما دیں تو پھر مومن مردوں یا عورتوں کے لئے اپنے معاملے میں کوئی اختیار OPTION باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرتا ہے، پس وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء-۶۵)

(ہرگز نہیں۔ تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ (اے نبیؐ) تمہیں وہ حکم نہ بنالیں۔ ہر اس معاملے میں جو ان کے درمیان باعث نزاع و اختلاف ہو، پھر وہ اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں تمہارے فیصلے پر اور سر بسر اس فیصلے کو تسلیم کرلیں۔

مطبوعات

کتابوں کا ایک پہاڑ میرے سامنے ہے جو تعارفی سطور کے لیے جمع ہیں۔ اگر پورا رسالہ ان کے لیے وقف کر دیتا تو شاید بات بن جاتی۔ مگر اب تو چند صفحے ہیں حق ادا نہیں ہو سکے گا، بس تعارف ہو گا۔ بہت سی اہم چیزیں مؤخر رہیں گی۔ ناشرین اور مصنفین معاف کریں۔

DISTRIBUTIVE JUSTICE AND ..... تالیف و تدوین جناب منور اقبال۔ ناشرین: انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔ بہ تعاون اسلامک فاؤنڈیشن، لائسسٹر۔ یو کے (223 LONDON ROAD)۔ اہم موضوع، دلکش بیان، بہترین ترتیب، اعلیٰ کاغذ، نکھری طباعت، دبیز رنگین آرٹ کارڈ ٹائیٹل، ۴۸۳ صفحات۔ قیمت نامعلوم۔

اسلامی فقہ و قانون کے بعد معاشیات دورِ حاضرہ کا پہلا اہم دائرۂ علم ہے جس میں ہماری صفوں سے تحقیقی کام کا آغاز ہوا ہے۔ پیشِ نظر کتاب کا موضوع بے حد توجہ کش ہے، یعنی "معیشت میں دولت کی تقسیم میں انصاف اور تکمیلِ ضروریات"۔ اس میں ۶ مقالات ہیں، ہر مقالے پر تبصرہ ہے، پھر اس پر بحث ہے۔ ادارتی بورڈ پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، ڈاکٹر عمر حافظ، ڈاکٹر محمد عارف، ڈاکٹر انس زرقا، ڈاکٹر ایم۔ اے منان اور ڈاکٹر منور اقبال پر مشتمل ہے۔ میں نے کتاب پر نظر ڈالتے ہوئے جابجا نشان لگائے مگر بحث کی گنجائش نہیں، اس کے لیے مقالہ چاہیے۔ ص ۱۳ پر ڈاکٹر زبیر حسن نے "مرلیس" اور "امانۃ" کے تصور پر جو مختصر بات کی ہے وہ مطمئن نہیں کرتی۔ قانونی باتیں اور ہیں اور شاعرانہ اور۔ متعلقہ باب میں بتایا گیا ہے کہ دولت کا امانتِ الٰہی کا تصور اس پر حقِ ملکیت کے ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ پیچیدہ مسائل ہیں۔ ص ۱۶ پر تقسیمی عدل کے لیے بیان مدہ

اُصولوں میں ۔ تیسیر التفصیل۔ قانونی ۔ اقتصادی د اسلام میں سے) دلائل مانگتا ہے۔ اسی طرح ص ۵۵ بلا سُود بنک کاری کے لیے رہنمائی دی گئی ہے اور اس پر اور بھی مفید لٹریچر ہے، مگر کوئی قابلِ عمل مثبت فارمولا اور نقشہ کسی کے پاس نہیں ۔ بعض لوگوں نے حیلے بہانے نکالے ہیں۔ بات بنتی نہیں ۔ اور کہاں تک لکھا جائے ۔ کام بہت قابلِ قدر ہے۔ کتب حوالہ، اصطلاحات اور اعلام کے ضمیمے شامل ہیں۔

الرحیق المختوم از مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری۔ ناشر: المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور۔ خوبصورت کاغذ، طباعت و جلد مع منقش گردپوش ۔ صفحات ۷۸۶ ۔ قیمت نامعلوم ۔

سیرت پر بڑی جامع کتاب ہے ۔ اصل عربی ایڈیشن پر ۱۷۱ مسودات کے مقابلے میں رابطۂ عالمِ اسلامی مکۃ المکرمۃ کی طرف سے ۵۰ ہزار سعودی ریال کا انعام دیا گیا۔ اب اردو ترجمہ سامنے ہے ۔ گزشتہ چند سال میں سیرت نبوی پر جو لٹریچر شائع ہوا وہ ایک بحرِ بے پایاں ہے اور اس میں رحیق المختوم ایک بلند لہر ہے ۔ خدا مولف کو جزا دے ۔ واقعات پر تفصیلی غور حدیث و سیر کی روشنی میں تو کرنے کا مجھے وقت نہیں ملا بلکہ میں نے مولینا مبارک پوری پر اعتماد کیا ہے مگر توجہ دہانی کی دو باتیں : ایک یہ اسما کو اعراب کے ساتھ لانے کا اچھا التزام ہے مگر بہت سی مثالیں اس کے بخلاف ہیں۔ دوسری یہ کہ اردو ترجمہ معیاری نہیں اور بعض لسانی غلطیاں تو کانٹے کی طرح چبھتی ہیں۔ مثلاً "دکھلائی پڑ گیا" (ص ۹۷)، "بانگ و خروش کے درمیان" (ص ۹۹)، "ایک پکار لگائی" (ص ۱۶۰) "وہ بھی آپ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں" (ص ۱۶۹) اصل مدعا کو واضح نہیں کرتا۔ افلحت الوجوہ کا یوں تو ترجمہ درست ہے کہ "یہ چہرے کامیاب رہیں"۔ مگر اصل مفہوم ہوتا ہے کہ یہ اصحاب (اصحاب الوجوہ) کامیاب رہیں۔ "وجوہ القوم" کے معنی ہیں قوم کے سردار۔ "لِوجہِ اللّٰہ" کے معنی ہیں : اللّٰہ کی رضامندی کے لیے۔ عالموں کے سامنے اس سے زیادہ بات کرنا گستاخی ہے ۔ ترجمہ از سرِ نو کرایا جائے یا نظرِ ثانی کرائی جائے ۔

بہر حال سیرتِ پاک صلعم کی یہ خدمت گویا ہمارا اور ہر مسلمان کا اپنا ہی کام ہے ۔ ایسی خدمات کو گروہ بندیوں کی سطح سے بلند ہو کر دیکھنا چاہیئے ۔

مُسلم اُمّہ سویت روس میں از ہم قدمِ جادۂ عشق و ہم قلم نگارشِ حق ، آباد شاہ پوری ۔ ناشر انسٹی ٹیوٹ

آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد۔ (۳۔ گلی ۵۶۔ شالیمار ۶/۴) کاغذ طباعت سرورق اعلیٰ۔ صفحات ۳۹۲۔ قیمت قسم عام (سرورق آرٹ کارڈ) ۸۰ روپے۔ مجلد ۱۰۰ روپے۔

اس کتاب کے آنے سے جو مسرت ہوئی وہ ایسی تھی جیسے "ماہ سوئے آسمان آید ہمے" والی غزل میں رکہ دکی نے سمودی تھی۔ دائرۂ تحقیق میں ہم اپنے جماعتی پھیلاؤ اور دوسری رنگا رنگ دلچسپیوں کے مقابلے میں اتنے پیچھے رہ گئے ہیں کہ جب اچانک اپنے حلقوں سے کوئی ٹھوس تحقیقی کتاب سامنے آتی ہے تو دل اچھل پڑتا ہے۔

میں آباد شاہ پوری صاحب کی کتاب پر تبصرہ تو کیا کروں گا میں تو پڑھتے ہوئے ان کی تحقیقاتی کاوشوں اور حسن بیان کے ریلے میں بہہ گیا اور ہوش تب آئی جب دوسرے فرائض نے مجھے زبردستی کھینچ کر ساحل پر ڈال دیا۔

روس کے متعلق اس وقت سے پہلے جو کام ہو جانے چاہئیں تھے۔ افسوس کہ ہم کچھ زیادہ نہ کر سکے۔ لے دے کے ایک چراغ راہ کا سوشلزم نمبر اور کچھ کچا پکا کام دارالفکر کا تھا۔ اور بس! محض سفرناموں اور جزوی سرسری بحثوں یا اخباری نوٹوں سے تو کام نہیں چلتا۔ کم سے کم (WEBBS) کی پیش کردہ کتاب کی طرح کی کوئی کتاب ہونی چاہیئے مگر یہاں تو کوئی سفرنامہ بھی (INSIDE RUSSIA) کی سطح تک نہ پہنچ سکا۔ ہم نے ایمان کا ایک گھر تو بنایا مگر تحقیق اس گھر میں کبھی قدم نہ رکھ سکی۔ اب جب کہ روس اور روس کے مسلمانوں سے بالمشافہ بھی رابطے بڑھے ہیں اور تحریری ریکارڈ بھی آسانی سے دستیاب ہونے لگا ہے۔ اب ہماری ذمہ داری اس موضوع کے متعلق دوسری طرح کی ہے۔ خصوصاً روس جیسی سپر طاقت کا اپنے انقلابی فلسفوں اور اقتصادی نظریوں اور تاریخی تصورات کے ساتھ افغانستان میں ایک تمدن ناآشنا چھوٹی سی قوم سے زخم پہ زخم کھا کر پہاڑوں سے سر ٹکرانا اور پھر دُم دبا کر بھاگنا ایک ایسا واقعہ ہے کہ تاریخی جدلیت اور طبقاتی تصادم اور مادی ارتقا کے سارے کافرانہ ایمانیات آبگینوں کی طرح چٹانوں پر گر کر کرچی کرچی ہو گئے اور دوبارہ کبھی جڑ نہ سکیں گے۔ دنیا میں اشتراکی نظریہ و نظام کی اس پسپائی سے مکمل شکست کا آغاز ہو گیا۔

ادھر روس کے کچلے پسے مسلمانوں میں نئی امنگیں جاگ اٹھی ہیں اور مختلف علاقائی اور نسلی آبادیاں بھی خوفناک قسم کے مظاہرات کرتی دکھائی دے رہی ہیں۔

اس طرح کے حالات میں وقت نے ہمارے کانوں میں یہ سرگوشی کی کہ اب روس کے متعلق تحقیقی کام کا ایک تازہ چیلنج سامنے ہے اور اس چیلنج کا جواب دینے کے لیئے ہماری طرف سے آبادشاہ پوری قلم و قرطاس لے کے میدان میں آگئے۔ میدان کیا، ایک گوشے میں بند ہو کے بیٹھ رہے۔ اب وہ باہر آئے ہیں اور ہاتھ میں ایک تحقیقی کتاب لیئے مسکرا رہے ہیں۔

"زاروں کا ورثہ"، "مسلم مسئلے کا حل"، "سوویت پالیسیوں کے اثرات"، "اسلامی زندگی کا احیا"، "اجتماعی شب و روز"، "نئی نسل کے رجحانات"، "آبادی کا دھماکہ"، "مستقبل کے امکانات" اس کتاب کے ابواب کے عنوانات ہیں اور یہ عنوانات خود ہی بتا دیتے ہیں کہ لکھنے والے نے کیا پیش کیا ہوگا۔ مسلمانوں پر براہِ راست مظالم اور ان کے خلاف سیاسی، لسانی، اقتصادی اور تفرقہ انگیزانہ چالیں اس کتاب کے آئینے میں دیکھئے زاروں سے لے کر آجتک!

بہت ہی اہم ایک باب ہے۔ باب ششم۔ عنوان: "نئی نسل کے رجحانات"۔ روس میں لقمۂ مظالم بننے اور حکمرانے یا ایک بکا جانے اور عجیب عجیب طرح اپنی روایات کو برقرار رکھنے اور اب باقاعدہ نظام رائج سے حسب موقع چھوٹے چھوٹے نکر و پیدا کرنے کا سلسلہ احوال مسلمانوں کی ہم نسلوں پر محیط ہے۔

مختصر تعارف یہ ہے کہ پہلی نسل کی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور خاصی بڑی تعداد مختلف ممالک میں ہجرت کر گئی۔ دوسری نسل نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو سیاسی غلامی کے علاوہ کفر و الحاد کے شکنجے میں جکڑا ہوا پایا۔ تیسری نسل وہ ہے جس نے دوسری جنگ عظیم کے بعد جنم لیا اور اسے سوویٹ سانچوں میں ابھی ... ڈھالنے کی کوشش کی گئی۔ چوتھی نسل اب اپنی پیش رو سے چارج لینے کی تیاری میں ہے۔ بنو شلست جیرت کے ... بود و بند لا ما ... تیسری نسل سے شروع ہوا تھا۔ اب چوتھی نسل کے ذریعے شاید وہ زور ... حرکت ... ل جائے۔ لہٰذا آئندہ چند برس میں (افغان اثرات کو بھی شامل کرتے ہوئے) زندگی کی نئی ... قرین فہم ہے۔ اس قیاس کے لیئے آباد صاحب نے تین نئے رویوں کا ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں میں ... کی کیفیت ختم ہو چلی ہے۔ وہ معاملات و مسائل پر بحث کرتے ہیں ... سے ہونے والی زیادتیاں ان کی زبانوں پر آنے لگی ہیں۔ دوسرا قریہ مناصب پر فائز پارٹی لیڈروں (مسلم امہ کے لوگوں) کا عام طریقہ ... ہے مگر اب ایسے جرأت مندانہ واقعات ہونے لگے ہیں جیسے ... ازبک کمیونسٹ پارٹی کے اول سیکرٹری ... امید وار ... رشید ...

نے اس فیصلے پر کھل کر تنقید کی کہ ازبک بچوں کو ماسکو بھیج کر تربیت دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ تیسرا رد عمل مقامی لیڈرشپ کے دلیر لوگوں کا ہے جواب صاف صاف کہتے ہیں کہ ہمیں لوٹا جا رہا ہے، ہنرمندوں کے نام پر جو آئے دن سیلاب امڈتا رہتا ہے اس پر وہ سخت پیچ و تاب کھاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں پسماندگی منظور ہے لیکن روسیوں کا تسلط قبول نہیں۔ ازبک نوجوانوں کا لہجہ اس معاملے میں بڑا سخت ہے کہ ہر بات کا فیصلہ ماسکو کیوں کرتا ہے؟۔ مسلمانوں کے اندر ایک فیصد لوگ بھی ایسے نہیں ملتے جو روسی قوم میں ضم ہونے کے لیئے تیار ہوں۔ مقامی جمہوریتوں کے لوگ صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ ہمارا گھر ہے، ہم اس کے مالک ہیں، یہ جمہوریہ ہماری جمہوریہ ہے۔

پھر ان پر یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ مسلم ماضی کا سراغ انہیں اسلام کی طرف لوٹنے اور اسلام کی بنیادوں پر متحد ہونے کی ضرورت ہی میں مل سکتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مسلم امہ کے (عالمی) دارالاسلام کا باسی سمجھتے ہیں۔ کلمہ طیبہ و سورۂ اخلاص پڑھ کر سناتے ہیں۔ اپنا تعارف کراتے وقت کہتے ہیں کہ "ہم بھی مسلمان ہیں مگر کافروں کے غلام"۔ بہت سے ترکستانی سیاسی مجاہدین افغانستان کے ساتھ جا ملے ہیں (ایک سوویٹ ماہر)۔ پھر اخلاقی اور حیاتی تحریکوں پر گفتگو ہے۔

مگر کتاب کے مواد کی دلچسپی میرے قلم کو پکڑ پکڑ اتنا گھسیٹ لے گئی ہے کہ مجمل تبصرہ ساری حدود کو توڑ گیا ہے۔ لہٰذا اب کتاب میں نے اٹھا کر ایک طرف رکھ دی ہے۔

آخر میں مختصراً یہ کہنا چاہتا ہوں کہ درجۂ اول کے اس تحقیقی کام کو درجۂ اوّل کی جس تخلیقی زبان میں پیش کیا گیا، اس طرح کی مثالیں کم ملیں گی۔

کاش کہ یہاں کوئی ایسی بلند مقاصد اسلامی رجحان کی حکومت موجود ہوتی جو نہ صرف روس کے متعلق ایسے ریسرچ کے کاموں کا ادارہ قائم کرتی بلکہ پبلسٹی اور پروپیگنڈے کی ایک خاص محتاط مہم روسی مسلمانوں میں نئی اسلامی زندگی پیدا کرنے کے لیئے شروع کر سکتی۔ مگر یہاں تو انتقامی ردِ عمل اور باہمی تصادم اور لادینیت اور رامش و رنگ کی ثقافت کا دور ہے۔

اسلامی نظریۂ ادب | ترتیب وتدوین از جناب سید اسعد گیلانی واختر حجازی۔ ناشر: ادارہ ترجمان القرآن اُردو بازار لاہور۔ صفحات ۲۱۱ مجلد، کاغذ سفید، طباعت اچھی، قیمت/۳۰ روپے۔

سید اسعد گیلانی صاحب کو کچھ سیدوں پیروں والی کرامات حاصل ہیں کہ ان کا دماغ کتابیں ایسی تیزی سے تیار کرتا ہے جیسے ڈیزائنیٹ کا رخانے کاریں بناتے ہیں اور کمال یہ کہ ہر کتاب ایسی کہ پڑھے بغیر رہا نہ جائے۔ اب تو اختر حجازی کی صلاحیتیں بھی ان کے ساتھ ہیں۔

اسلامی نظریۂ ادب میں انہوں نے ۱۹ مقالات مختلف اصحاب کے قلم سے جمع کر دیئے۔ کہیں ۱۹ کا عددی کرشمہ تو مرتبین کے سامنے نہیں رہا۔ سب مقالہ نگار ایسے ہیں جن انسانی غلام و تعمیر خدا پرستانہ اسلامی اقدار کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ کئی سال کے پرانے مقالات بھی ہیں اور قریبی دور کے بھی۔

وہ عنقریب جو کانفرنس اصحاب علم وادب کی بلا رہے ہیں، یہ کتاب ان کے لیئے سامانِ تواضع ہے

آسمانِ ہدایت کے ستر ستارے | از جناب طالب ہاشمی — ناشر: البدر پبلیکیشنز، ۲۲- راحت مارکیٹ، اُردو بازار لاہور۔ صفحات ۵٦۸، سنہری ڈائی والی مضبوط جلد۔ قیمت/۷۰ روپے۔

بھئی اتنے شہرت یافتہ قلم کار کا اتنا مقبول عام موضوع، کون نہیں جانتا کہ یہ کیا چیز ہے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ستر صحابیوں کے حالات دلچسپ پیرائے اور مستند حوالوں کے ساتھ اور اہم ضمیموں کے ساتھ۔ اسما واعلام پہ اعراب لگے ہوئے، آپ کے سامنے ہیں۔ دنیا کے بہترین انسانوں کی سوانحی تصویریں — یہ کام ہاشمی صاحب نے آلام و مصائب کے گھیرے میں رہ کر کیا ہے۔ خدا اُن پر کرم کرے۔

میرا تو ان کو مشورہ ہے کہ اب تک صحابہؓ کے جو حالات تین چار کتابوں میں انہوں نے لکھے ہیں ان کے ساتھ بقیہ اصحاب کے تذکرے بھی شامل کر کے ایک "صحابہ انسائیکلو پیڈیا" بنا دیں جو اردو میں اُسُدُ الغابہ جیسا مقام حاصل کرے۔

احمدی حضرات سے سات سوال مؤلف وناشر قاضی محمد حفیظ اللہ صاحب۔ ایم اے۔ پی سی ایس (ریٹائرڈ) مکان نمبر ۷۔ عبدالغنی سٹریٹ نمبر ۱۲۔ نور محلہ۔ اچھرہ، لاہور۔ قیمت درج نہیں۔ غالباً مفت تقسیم کے لیئے ہو۔

قاضی صاحب ایک صاحب مطالعہ بزرگ ہیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد علالت کے باوجود جسم ودماغ سے کام لیتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے احمدی حضرات (یا قادیانی نبوت واُمت) کے متعلق ایک پمفلٹ لکھ کر مسلمانوں کے اعتقادات پر ہونے والی جنگ کے خلاف اپنا سپاہیانہ حصہ ادا کیا ہے۔ سارے دلائل ومباحث اور ان کے مزاحیہ انداز بیان کی جھلکیاں تو دکھانے کی گنجائش نہیں، صرف ۲ نکات عرض کرتا ہوں۔

مرزا صاحب اپنے آپ کو انگریز کا "خود کاشتہ پودا" کے علاوہ برٹش حکومت کو رحمت خداوندی سمجھتے ہیں۔ قاضی صاحب نے اس پر لکھا "میجر ہڈسن وہ خونخوار بھیڑیا تھا جس نے مغل شہزادوں کے سر کاٹ کر ان کا چلو بھر خون پیا تھا اور ان شہزادوں کے سروں کو ایک طشت میں لگا کر ہندوستان کے آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں پیش کیا تھا اور کرنل نیل وہ شیطان صفت، بدطینت وحشی درندہ تھا جس نے ۱۸۵۷ء میں مسلم خواتین کو برہنہ کر کے اُن کے لواحقین کو ان سے بُرا بھلا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اور جب ان مجاہدوں نے انکار کیا تو انہیں قتل کر دیا گیا اور ان شریف زادیوں کو وحشی ٹامیوں کے حوالے کر دیا گیا۔"

یہ تھے کارنامے اس سلطنت کے جو مرزا صاحب کے لیئے "خدا کی رحمت" تھی۔ پھر لعنت کسے کہتے ہیں؟

(اس کے ساتھ کالا پانی کے واقعات ملا لیئے جائیں)

ادھر حکیم نور الدین صاحب والئ کشمیر ہری سنگھ کے شاہی طبیب تھے اور ہری سنگھ کا خاکہ شہاب نامہ میں ملاحظہ ہو: "صوفے پر ہز ہائی نس راجہ راجیشور، ادھیراج شری مہاراجہ ہری سنگھ بہادر اندر مہندر سپہر سلطنت انگلینڈ۔ جی، سی، ایس، آئی، جی، سی، آئی، ایس، کے، سی، وی، او، منہ کھال بھینسے کی طرح اوندھے منہ پڑے تھے۔ ان کے جسم کا گوشت پوست صوفے پر یوں بکھرا ہوا تھا جیسے گندے کپڑوں سے بھرا ہوا سوٹ کیس تیز رفتار گاڑی سے باہر گر کر پھٹ گیا ہو۔ مہاراجہ ہری سنگھ رات بھر شراب اور کچے اور پکے گوشت کا شغل فرماتے تھے اور پھر دن بھر وید اور حکیم اور ڈاکٹر کشتوں کے پشتے لگا کر

انہیں اگلی شب کے لیئے تازہ دم کرتے رہتے تھے ۔ چنانچہ اس وقت بھی چند عورتیں اور مرد ان کے اعضائے رئیسہ وغریبہ کی خفی اور جلی مالش کرنے میں معروف تھے ۔ مہاراجہ کی آنکھیں کچھ کھلی اور بند تھیں اور ان کے کونوں میں گید گندے بیروزے کی طرح تہ درتہ جم رہی تھی" ۔

اِن دو گہواروں میں مرزا صاحب کی نبوت کی پرورش ہوئی ۔

بس ایک اور بات ! اب سوال یہ ہے کہ اگر کل کو پاک بھارت جنگ ہوجائے ۔۔ اور بھارتی حکومت اندرونِ خانہ احمدی حضرات کو یہ دھمکی دے (اور یہ دھمکی تواتفق پر لکھی ہوئی موجود ہے ۔ ن ص) کہ اگر تم نے پاکستان کے خلاف بھارت کا ساتھ نہ دیا تو قادیان (بھارت) میں موجود تمہارے (مبینہ) نبی اور اس کے نام نہاد صحابیوں وغیرہ کی قبریں کھود کر ان کی ہڈیاں جلادی جائیں گی اور تمہارے بہشتی مقبرہ کا نام ونشان تک مٹا دیا جائے گا تو ایسی صورت میں احمدی حضرات کس کا ساتھ دیں گے ؟ ۔

میری بھی رائے میں اب قادیانیوں کے لیئے دائرۂ ملت میں جگہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ۔ اب تو صرف ان کا کام بعض قوتوں کے لیئے آلۂ کار بن کر پاکستان سے انتقام لینے کے لیئے سیاسی اور خارجہ تعلقات اور دفاعی معاملات میں سازشیں کرنا ہے ۔ نہ جانے وہ کیا کیا کچھ کر چکے ہیں اور آگے کیا کیا کرنے والے ہیں ۔ اب تو شاید نئی حکومت کی طرف سے بھی ان کے سروں پہ شفقت کا ہاتھ پھیرا جائے تو پھر کچھ علاج اس کا بھی ہے ؟ ۔

عورت کی سربراہی | از جناب صلاح الدین صاحب ۔ ناشر : ادارۂ مطبوعات تکبیر ۔ اے ون ، یسری منزل ، نامکو سنٹر ، کیمبل اسٹریٹ ، کراچی نمبر ۱ ۔ خوبصورت کمپیوٹرائزڈ طباعت ۔ قیمت ۳/ روپے ۔ تقسیم عام کے لیئے خصوصی رعایت ۔

عامیانہ انداز کے بجائے دانشورانہ انداز میں عام فہم طریق سے "مسئلہ زن پر صلاح الدین صاحب نے قلم اٹھایا اور مسئلے کو دینی ، تاریخی ، سماجی دلائل اور ابھرے ہوئے مباحث کی روشنی میں ایسا مقالا لکھا کہ بہ قلم ہی توڑ دیا ۔ وہی "کھڑکی توڑ ہفتہ" والی بات اور وہ ٹوٹا ہوا قلم لفظ لفظ میں روح بن کر شامل ہو لیا ۔ وا [illegible] کرا اٹھا ۔ ۲۵ ہزار کا ایک ایڈیشن ختم ہوچکا اور بعض لوگ اپنے آرڈروں کی [illegible] لیے منتظر ہیں ۔

عورت کی سربراہی | تالیف جناب شیخ القرآن مولینا گوہر رحمٰن صاحب۔ ناشر: جمعیت اتحاد العلماء پاکستان۔ (صدر مولینا عبدالمالک، منصورہ لاہور۔ کوڈ ۵۴۵۰۷)۔ قیمت درج نہیں۔ شاید مفت تقسیم کے لیۓ ہو۔

تہذیبِ الحاد کا جادو ہے کہ عورت گھر سے نکلی، اس نے برقعہ اتارا، دوپٹہ ہواہیں اڑادیا، پھر وہ دوش بدوش آئی، پھر لپک کے وہ سروں پر سوار ہوگئی۔ (سے "عورت ہے سوا") اب علماء کو خیال آیا کہ پانی تو سر سے گزر گیا۔ عورت کی سربراہی کا سامنا ہے۔ مرد تو اب گھر میں بھی قیم نہ رہ سکے گا۔ بلکہ "مرد ہی زن ہوگئے" والا نقشہ ہے۔ عورتوں کی مردانگی دیکھیۓ اور مردوں کی مُردنی۔

مولینا گوہر رحمٰن صاحب کی تحریر نہ کسی تعارف کی محتاج، نہ ہمیں تنقید کی جرأت، مضمون واضح دلائل روشن، قرآن کی آیات، احادیث اور مفسرین ومتقنینِ اسلام کے حوالے ان کے قابو میں اس طرح ہیں جیسے ٹائپسٹ کلیدوں کی طرف دیکھے بغیر کاغذ پر نقوش منتقل کرتا ہے۔ مختصر رائے یہ کہ اس سے زیادہ اور کیا بحث واستدلال کوئی کرے گا۔

(بقیہ علم کی اسلامی تشکیل)

طرح دہرانا چلا جاتا ہے، جو یورپ کے ان شہروں میں سرزد ہو چکی ہیں جو دو سو سال پیشتر صنعتی انقلاب کے دور سے گزر چکے ہیں۔ گویا کہ ہم دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی صفت سے بھی یکسر عاری ہیں۔ ہمارے گھر، ہمارا فرنیچر اور فنونِ لطیفہ سب مختلف نمونوں کا ملغوبہ ہیں۔ جو واضح طور پر ہمارے ذہنی انتشار اور گم شدہ شناخت کی چغلی کھاتے ہیں گویا کہ ہم جانتے ہی نہیں کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں!

مختصراً، سارے منفی دلائل کے باوجود، یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس حد تک مسلمان نے خود کو مغربیت زدہ بنا لیا ہے۔ تقریباً اسی حد تک وہ بربریت کا خوگر بھی ہوگیا ہے۔ اس کی زندگی مختلف النوع اسالیب کا ایسا جنگھٹا بن کر رہ گئی ہے جس کا رشتہ اپنے ماضی سے غیر مربوط ہے۔ مسلمان بے چارہ نہ پوری طرح مغربی ہی بن سکا اور نہ مسلمان ہی رہ سکا۔ یہی اس کا موجودہ تہذیبی اور ثقافتی المیہ ہے۔

(باقی)

(بقیہ تبریک صفحہ ۲)

کوشش یہ ہے کہ پاکستان کو محروم کر کے بھارت اور ایران اور کوریا اور چین اور جاپان اور مغربی قوتیں وہاں اڈے جمائیں اور وہاں مالیات اور سیاسی پالیسیوں پہ قابو پالیں۔ کاش کہ پاکستان ان حالات کو سمجھ کر ان کا تدارک کر سکے اور کسی غیر کو قدم نہ رکھنے دے۔

پاکستان کے متعلق کنفڈریشن کی بات چھڑنے سے دنیا بھر کے کان کھڑے ہو گئے ہیں۔ پس ہمارا خیال یہ ہے کہ محض ایک دوستانہ معاہدہ جس میں وہ سارے امور شامل ہو جائیں جو مطلوب ہیں، فی الحال کافی ہیں۔

لیکن شرط یہ ہے کہ پاکستانی افسر اور پاکستانی تاجر افغانستان سے وہ معاملہ نہ کریں جو سابق مشرقی پاکستان میں روا رکھا گیا۔ بلکہ سادگی، اسلامیت، محبت اور انکسار اور امانت داری کے ساتھ کام کریں اور نفع اندوزی پہ جذبۂ خدمت و محبت کو غالب رکھیں۔

مشکل یہ ہے کہ ہمارے ہاں کی سیاسی قوتیں کسی اونچی اور وسیع سوچ بچار تک نہیں پہنچ سکتیں۔ چھوٹے چھوٹے مفاد کو لیے بیٹھی ہیں۔

بس خدا ہی اس لمحے میں ہماری مدد کرے۔ اس لمحے کی تلوار (الوقتُ سیفٌ قاطعٌ) اگر ہم نے ہاتھ میں لے لی اور اس سے بھرپور کام بخوبی لے سکے تو بڑا انقلاب رونما ہو گا، اور لمحے کی یہی تلوار اگر کسی مخالف قوت نے ہتھیا لی تو ملی عروج اور دینی احیا کے جو وسیع دروازے کھلنے والے ہیں، وہ بند ہو جائیں گے۔ (خدا کرے کہ ایسا نہ ہو) کاش کہ حکومتی سطح پہ نہیں تو عام ملی سطح پہ نئے اسلامی افغانستان کے حامی اور خیر خواہ، لیڈر، علماء اور دانشور مل کر ایک بڑی ایسوسی ایشن بنا لیں۔ یہ ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو محبِ اسلام و پاکستان ہونے کے ساتھ پورے عالم کی اُمتہ پالیٹکس کے مفاد کو عزیز رکھتے ہوں ــــ یاد رکھیے یہ بڑے امتحان کا وقت ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ افغان مجاہدین اور ان کی قوم اور ملتِ اسلامیہ کے لیے فوز و فلاح کے دروازے کھول دے۔ اور مشیت دشمنوں کو پکار کر کہے کہ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ!
